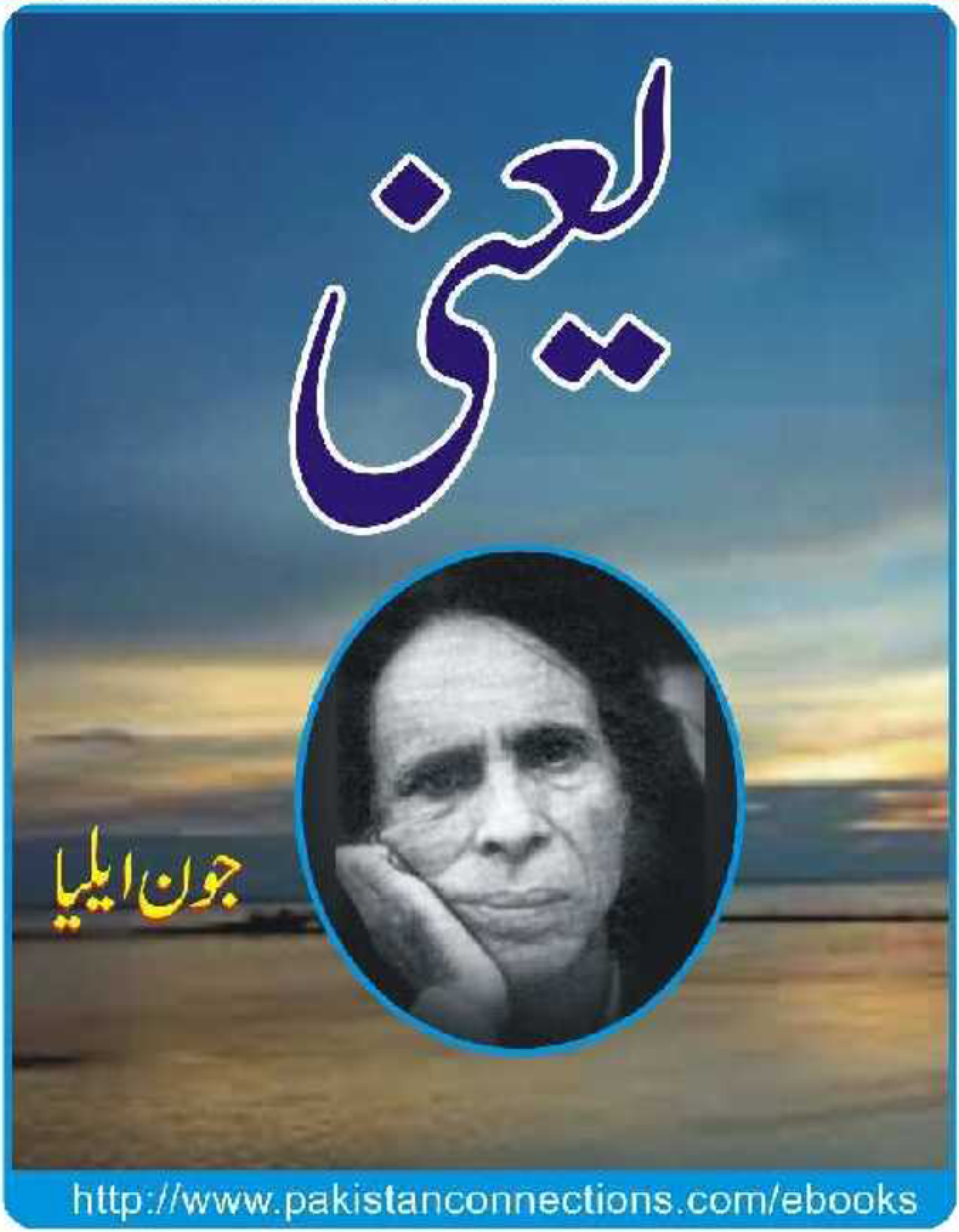


یعنی
جون ایلیا
http://www.pakistanconnections.com/ebooks

یعنی

جون ایلیا

وہ یقیں ہے نہ گماں

وہ یقیں ہے نہ گماں ہے تمنا ہو یا ہو
جان جانان جہاں ہے تمنا ہو یا ہو

کون آشوب گر دیر و حرم ہے آخر
جو یہاں ہے نہ وہاں ہے تمنا ہو یا ہو

کس نے دیکھا ہے مکان اور زمان کو یارا!
نہ مکاں ہے نہ زماں ہے تمنا ہو یا ہو

میں نے معنی میں نہ پائے کوئی معنی یعنی
لفظ ہی مال زباں ہے تمنا ہو یا ہو

میں جو اک فاسق وفاجر ہوں جو زندیق ہوں
رمز ''حق'' مجھ میں نہاں ہے تمنا ہو یا ہو

حذر ارباب ''کلسیا'' کہ یہ معمورہ تو
سر دم اہرمناں ہے تمنا ہو یا ہو

کیا بھلا سود و زیاں، سود و زیاں کیا معنی
کچھ نہ ارزاں نہ گراں ہے تمنا ہو یا ہو

زندگی کیا ہے میاں جان بھلا کیا کہیے
شاید اک اپنا سماں ہے تمنا ہو یا ہو

سینہ وقت قیامت کا ہے چھلنی لیکن
نہ کہیں ہے نہ کہاں ہے تمنا ہو یا ہو

مفلساں! دل سے خداوند تمہارے پہ درود
کیا ہی روزینہ رساں ہے تمنا ہو یا ہو

یہ جو منعم ہیں انہیں کا تو ہے فتنہ سارا
اور دین ان کی دکاں ہے تمنا ہو یا ہو

شام فرقت کی ہے اور موج شمال سرسبز
میرے سینے میں وزاں ہے تمنا ہو یا ہو

یار کا ناف پیالہ تو بلا ہے یاراں
حشر محشر طلباں ہے تمنا ہو یا ہو

وہ مری جانؔ مری جان شکم رقاصہ
کیا ہی وجد آور جاں ہے تتنا ہو یا ہو

خون ہی تھوک رہا ہوں میں بچھڑ کے اس سے
وہی تو رنگ رساں ہے تتنا ہو یا ہو

دھول اڑتی ہے مری جان مرے سینے میں
دل مرا دشت فشاں ہے تتنا ہو یا ہو

جونؔ میں جو ہوں کہاں ہوںؔ مجھے بتلا تو سہی
جون تو مجھ میں تپاں ہے تتنا ہو یا ہو

◆◆◆

کفِ سفیدِ سرِ ساحل

کفِ سفیدِ سرِ ساحل تمنا ہے
اور اس کے بعد سرابوں کا ایک دریا ہے

یہ آرزو کا فسوں زار جاودانہ کیا
نہ آرزوٗ نہ فسوں زار جاودانہ ہے

ہے کب سے پردہ آواز کو سکوت ہوس
سکوت پردہ آواز کو ترستا ہے

ہے درمیانہ ازل ہی سے ایک ترکِ سخن
پر اک سخن جو ازل ہی سے درمیانہ ہے

یہ خاک داں ہے بس اک روز نہ تو ہم کا
یہ روزنہ ہی تو ہم کا ایک توشہ ہے

نہ جانے کب سے اک آشوب ہے سوالوں کا
مگر سوال تو یہ ہے کہ مسئلہ کیا ہے

نہ پوچھ حالت جاں کاہ تندی پرواز
تکان بال و پر جاں ہی راحت افزا ہے

وہ جان خلوت ممکن ہے دل کے پہلو میں
اور ایک حشر مراد محال برپا ہے

ہے اس کا ناف پیالہ غضب کہ مت پوچھو
کہ اس کی ایک جھلک اک بلا کا نشہ ہے

◆◆◆

تو نے مستی وجود کی

تو نے مستی وجود کی کیا کی
غم میں بھی تھی جو اک خوشی کیا کی

ناز بردار دل براں اے دل
تو نے خود اپنی دل بری کیا کی

آ گیا مصلحت کی راہ پہ تو
اپنی از خود گزشتگی کیا کی

رہرو شام روشنی تو نے
اپنے آنگن کی چاندنی کیا کی

تیرا ہر کام اب حساب سے ہے
بے حسابی کی زندگی کیا کی

یوں ہی پھرتا ہے تو جو راہوں میں
دل محلے کی وہ گلی کیا کی

اک نہ اک بات سب میں ہوتی ہے
وہ جو اک بات تجھ میں تھی، کیا کی

نہیں معلوم ہو سکا دل نے
اپنی امید آخری کیا کی

جون دنیا کی چاکری کر کے
تو نے دل کی وہ نوکری کیا کی

◆◆◆

حسرت رنگ آئی تھی

حسرت رنگ آئی تھی، دل کو لگا کے لے گئی
یاد تھی، اپنے آپ کو یاد دلا کے لے گئی

خیمہ گہ فراق سے خیمہ گہ وصال تک
ایک اداس سی ادا مجھ کو منا کے لے گئی

ہجر میں جل رہا تھا میں اور پگھل رہا تھا میں
ایک خنک سی روشنی مجھ کو بجھا کے لے گئی

ایک شمیم پر خیال شہر خیال سے ہمیں
خواب دکھا کے لائی تھی، خواب دکھا کے لے گئی

دل کو بس اک تلاش تھی بے سروکار دشت و در
ایک مہک سی تھی کہ بس رنگ میں لا کے لے گئی

یادِ خراب و خستہ یادِ بے سرو سازو نا مراد
جانے قدم کہاں قدم مجھ کو چلا کے لے گئی

یادِ خزاں خزاں تھا میں ایسی فضائے زرد میں
نکہت یاد سبز فام مجھ کو خود آ کے لے گئی

دشت زیان و سود میں بود میں اور نبود میں
محمل ناز عشوہ گر مجھ کو بٹھاکے لے گئی

محفل رنگ طور میں خون جگر تھا چاہیے
وہ مری نوش لب مجھے زہر پلا کے لے گئی

سیل حقیقتوں کے تھے دل تھا کہ میں کہاں ٹلوں
اور گماں کی ایک رو آئی اور آ کے لے گئی

تو کبھی سوچنا بھی مت تو نے گنوا دیا مجھے
مجھ کو میرے خیا کی موج بہا کے لے گئی

صر صر وقت لے گئی ان کو اڑا کے ناگہاں
اور نہ جانئے کہاں ان کو اڑا کے لے گئی
موج شمال سبز فام قریہ درد سے مجھے
جادہ بہ جادہ کو بہ کو دھوم مچا کے لے گئی

◆◆◆

زمیں تو کچھ بھی نہیں

زمیں تو کچھ بھی نہیں، آسماں تو کچھ بھی نہیں
اگر گمان نہ ہو، درمیاں تو کچھ بھی نہیں

حریم جاں میں ہے اک داستاں سرا پر حال
خوش اس کا حال، مگر داستاں تو کچھ بھی نہیں

درونیاں تسلی سے تو ملا ہے کبھی؟
عذاب حسرت بیرونیاں تو کچھ بھی نہیں

ہے ہیں میں نے عجب کرب سود مندی کے
گلہ ہے تجھ کو زیاں کا، زیاں تو کچھ بھی نہیں

کسے خبر سر منزل جو دل نے حال سہے
اذیت سفر رائیگاں تو کچھ بھی نہیں

نہیں ہے مجھ سا زباں داں کوئی زمانے میں
جو میرا غم ہے، وہ یہ ہے، زباں تو کچھ بھی نہیں

ہے جون قافلہ و راحلہ میں شور بپا
یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے، وہاں تو کچھ بھی نہیں

◆◆◆

ترے خواب بھی ہوں

ترے خواب بھی ہوں گنوارہا' ترے رنگ بھی ہیں بکھر رہے
یہی روز و شب ہیں تو جان جاں یہ وظیفہ خوار تو مر رہے

وہی روز گار کی محنتیں کہ نہیں ہے فرصت یک نفس
یہی دن تھے کام کے اور ہم کوئی کام بھی نہیں کر رہے

ہمیں شکوہ تیری ادا سے ہے تری چشم حال فزا سے ہے
کہ دریچہ آگے بھی ہم ترے یونہی بے نشاط ہنر رہے

مرا دل ہے خوں کہ ہوا یہ کیا ترے شہر ماجرا خیز کو
نہ وہ ہوش ہے نہ خروش ہے' نہ وہ سنگ ہیں نہ وہ سر رہے

ہے مقابلے کی حریف کو بہت آرزو مگر اس طرح
کہ ہمارے ہاتھ میں دم کو بھی کوئی تیغ ہو' نہ سپر رہے

عجب ایک ہم نے ہنر کیا' وہ ہنر بطور دگر کیا
کہ سفر تھا دور و دراز کا' سو ہم آ کے خود میں ٹھہر رہے

یہاں رات دن کا جو رن پڑا تو گلہ یہ ہے کہ یہی ہوا
رہے شہر میں وہی معتبر جو ادھر رہے نہ ادھر رہے

ہیں عجیب سایے سے گام زن کہ فضائے شہر ہے پرفتن
نہیں شام یہ رہ و رسم کی' جو ہے گھر میں اپنے وہ گھر رہے

◆◆◆

بے قراری سی بے قراری ہے

بے قراری سی بے قراری ہے
وصل ہے اور فراق طاری ہے

جو گزاری نہ جا سکی ہم سے
ہم نے وہ زندگی گزاری ہے

نگھرے کیا ہوئے کہ لوگوں پر
اپنا سایہ بھی اب تو بھاری ہے

بن تمہارے کبھی نہیں آئی
کیا مری نیند بھی تمہاری ہے

آپ میں کیسے آؤں میں تجھ بن
سانس جو چل رہی ہے آری ہے

اس سے کہو کہ دل کی گلیوں میں
رات دن تیری انتظاری ہے

ہجر ہو یا وصال ہو ...... کچھ ہو
ہم ہیں اور اس کی یادگاری ہے

اک مہک سمت دل سے آئی تھی
میں یہ سمجھا تری سواری ہے

حادثوں کا حساب ہے اپنا
ورنہ ہر آن سب کی باری ہے

خوش رہے تو کہ زندگی اپنی
عمر بھر کی امید واری ہے

◆◆◆

کیسا دل اور اس کے

کیسا دل اور اس کے کیا غم جی
یونہی باتیں بناتے ہیں ہم جی

کیا بھلا آستین اور دامن
کب سے پلکیں بھی اب نہیں نم جی

اس سے اب کوئی بات کیا کرنا
خود سے بھی بات کیجئے کم کم جی

دل جو دل کیا تھا ایک محفل تھا
اب ہے درہم جی اور برہم جی

بات بے طور ہو گئی شاید
زخم بھی انہیں ہیں مرہم جی

ہار دنیا سے مان لیں شائد
دل ہمارے میں اب نہیں دم جی

آپ سے دل کی بات کیسے کہوں
آپ ہی تو ہیں دل کے محرم جی

ہے یہ حسرت کہ ذبح ہو جاؤں
ہے شکن اس شکم کی ظالم جی

کیسے آخر نہ رنگ کھیلیں ہم
دل لہو ہو رہا ہے جانم جی

ہے خرابۂ حسینیہ اپنا
روز مجلس ہے اور ماتم جی

وقت دم بھر کا کھیل ہے اس میں
بیش از پیش ہے کم از کم جی

ہے ازل سے ابد تلک کا حساب
اور بس ایک پل ہے پیہم جی

بے شکن ہو گئی ہیں وہ زلفیں
اس گلی میں نہیں رہے خم جی

دشت دل کا غزال ہی نہ رہا
اب بھلا کس سے کیجئے رم جی

◆◆◆

بہت دل کو کشادہ

بہت دل کو کشادہ کر لیا کیا
زمانے بھر سے وعدہ کر لیا کیا

تو کیا سچ مچ جدائی مجھ سے کر لی
تو خود اپنے کو آدھا کر لیا کیا

ہنر مندی سے اپنی دل کا صفحہ
مری جاں، تم نے سادہ کر لیا کیا

جو یک سر جان ہے، اس کے بدن سے
کہو کچھ استفادہ کر لیا کیا

بہت کترا رہے ہو مغ بچوں سے
گناہ ترک بادہ کر لیا گیا

یہاں کے لوگ کب کے جا چکے ہیں
سفر جادہ بہ جادہ کر لیا کیا

اٹھایا اک قدم تو نے نہ اس تک
بہت اپنے کو ماندہ کر لیا کیا

تم اپنی کج کلاہی ہار بیٹھیں؟
بدن کو بے لبادہ کر لیا کیا

بہت نزدیک آتی جا رہی ہو
بچھڑنے کا ارادہ کر لیا کیا

◆◆◆

ابھی فرمان آیا ہے

ابھی فرمان آیا ہے وہاں سے
کہ ہٹ جاؤں میں اپنے درمیاں سے

یہاں جو ہے تنفس ہی میں گم ہے
پرندے اڑ رہے ہیں شاخ جاں سے

دریچہ باز ہے یادوں کا اور میں
ہوا سنتا ہوں پیڑوں کی زباں سے

زمانہ تھا وہ دل کی زندگی کا
تری فرقت کے دن لاؤں کہاں سے

تھا اب تک معرکہ باہر کا درپیش
ابھی تو گھر بھی جانا ہے یہاں سے

فلاں سے تھی غزل بہتر فلاں کی
فلاں کے زخم اچھے تھے فلاں سے

خبر کیا دوں میں شہرِ رفتگاں کی
کوئی لوٹے بھی شہرِ رفتگاں سے

یہی انجام کیا تجھ کو ہوس تھا
کوئی پوچھے تو میرؔ داستاں سے

◆◆◆

شوق کا رنگ بجھ گیا

شوق کا رنگ بجھ گیا' یاد کے زخم بھر گئے
کیا مری فصل ہو چکی' کیا مرے دن گزر گئے

رہ گزر خیال میں دوش بدوش تھے جو لوگ
وقت کی گرد باد میں جانے کہاں بکھر گئے

شام ہے کتنی بے تپاک' شہر ہے کتنا سہم ناک
ہم نفسو! کہاں ہو تم' جانے یہ سب کدھر گئے!

پاس حیات کا خیال ہم کو بہت برا لگا
پس بہ ہجوم معرکہ جان کے بے سپر گئے

میں تو صفوں کے درمیان کب سے پڑا ہوں نیم جاں
میرے تمام جاں نثار میرے لئے تو مر گئے

◆◆◆

شاہدِ روز واقعہ صورت

شاہد روز واقعہ صورت ماجرا ہے کیا
کتنے جتھے بکھر گئے، کتنے ہجوم مر گئے

رونق بزم زندگی! طرفہ ہیں تیرے لوگ بھی
اک تو کبھی نہ آئے تھے، گئے تو روٹھ کر گئے

خوش نفساں بے نوا، بے خبراں خوش ادا
تیرہ نصیب تھے مگر شہر میں نام کر گئے

آپ میں جون ایلیا، سوچئے اب دھرا ہے کیا
آپ بھی اب سدھاریئے، آپ کے چارہ گر گئے

آج کی شام ہے عجیب، کوئی نہیں مرے قریب
آج سب اپنے گھر رہے، آج سب اپنے گھر گئے

خواب طلائی خیال، دل کا زیاں تھا اور ملال
ہوش کے باوجود ہم خواب و خیال پر گئے

سمت زمردین دل خود سے ہے کیا بہت خجل
ہم جو گمان زرد میں گھر سے گئے نہ گھر گئے

تھا جو نفس نفس کارن اس میں تھی شورش بزن
زخم بغیر واں سے ہم خون میں تر بہ تر گئے

◆◆◆

کتنے سوال اٹھتے رہتے تھے

کتنے سوال اٹھتے رہتے تھے' ان کے جوابوں کے تھے ہم
کس کا دل' کیسی دل داری' اپنے حسابوں کے تھے ہم

تھا وہ گماں کی روشنیوں میں روشنیوں کا ایک گماں
خواب کی اک روداد تھی ساری' خواب تھے خوابوں کے تھے ہم

جانے کون زمانے تھے وہ جن میں تھی دل کی گزران
لکھتے ہیں یوں اپنے کتبے جیسے کتابوں کے تھے ہم

ہے یہ باد زرد کے چلنے سے کچھ پہلے کا مذکور
تھے اپنے رخسار گلابی' اپنے گلابوں کے تھے ہم

تھی اک بے بنیاد تمنا' اک بربادی بے شکوا
جب تک تھے ہم بس یوں سمجھو' سخت عذابوں کے تھے ہم

اک دوپہر کا قصہ ہے جب شہر وہ ہم نے چھوڑا تھا
اس کے بعد کچھ ایسی بیتی' شام شرابوں کے تھے ہم

کاش کوئی روداد ہماری آن کے سن جائے ہم سے
رنگ میں اس کے تیر رہے ہیں اور سرابوں کے تھے ہم

◆◆◆

ہنگامہ نشاط طبیعت بھی

ہنگامہ نشاط طبیعت بھی جبر ہے
شاید کہ اختیار کی حالت بھی جبر ہے

بے خبر التفات و عنایت کی آرزو
اور ناز التفات و عنایت بھی جبر ہے

شکوہ خدا غریب سے تم کو ہے، جاؤ بھی
اس کے لئے تو اس کی مشیت بھی جبر ہے

آشفتگاں کو کون بتائے کہ دوستاں
آشوب ہاؤ ہو کی یہ فرصت بھی جبر ہے

وہ جو تھا اپنا شوق فزوں جبر ہی تو تھا
یہ اپنا طرز حسن مروت بھی جبر ہے

آسایش بقا کی ہوس جبر تھی، سو تھی
ہر لمحہ خودکشی کی سہولت بھی جبر ہے

ہم سے ہماری جنبش لب کا حساب کیا

ہے شکر جبر اور شکایت بھی جبر ہے

◆◆◆

مژہ خونیں تو چہرہ

مژہ خونیں تو چہرہ زرد نکلا
دل اس کرتب میں اپنے فرد نکلا

سبھی ویران تھے گھر اور گلیاں
کہیں سے اک سگ ولگرد نکلا

ندا آئی کہ یہ شہر بلا ہے
پھر انبوہ سگان زرد نکلا

میں نکلا تھا سراغ شہر دل کو
مگر واں دل ہی خود پے گرد نکلا

حضور موے زیر ناف یہ دل
عجب کم بخت تھا نا مرد نکلا

ہوس کا مجھ میں اک دوزخ تھا لیکن
شب اول میں بالکل سرد نکلا

بھلایا اس نے کس کس کو نہ جانے
میاںؔ یہ دل بڑا بے درد نکلا

میں سچ مچ اس کو کر ڈالوں گا برباد
جو دشمن کا مرے ہم درد نکلا

اگرچہ جاہل مطلق تھا غالب
پہ ہم میں سے کئی میں فرد نکلا

◆◆◆

بند باہر سے مری ذات

بند باہر سے مری ذات کا در ہے مجھ میں
میں نہیں خود میں، یہ اک عام خبر ہے مجھ میں

اک عجیب آمد و شد ہے کہ نہ ماضی ہے نہ حال
جون، برپا کئی نسلوں کا سفر ہے مجھ میں

ہے مری عمر جو حیران تماشائی ہے
اور اک لمحہ ہے زیر و زبر ہے مجھ میں

کیا ترستا ہوں کہ باہر کے کسی کام آئے
وہ اک انبوہ کہ بس خاک بسر ہے مجھ میں

ڈوبنے والوں کے دریا مجھے پایاب ملے
اس میں اب ڈوب رہا ہوں جو بھنور ہے مجھ میں

درو دیوار تو باہر کے ہیں ڈھینے والے
چاہے رہتا نہیں میں، پر مرا گھر ہے مجھ میں

میں جو پیکار میں اندر کی ہوں بے تیغ و زرہ
آخرش کون ہے جو سینہ سپر ہے مجھ میں

معرکہ گرم ہے بے طور سا کوئی ہر دم
نہ کوئی تیغ سلامت، نہ سپر ہے مجھ میں

زخم ہا زخم ہوں اور کوئی نہیں خوں کا نشاں
کون ہے وہ مرے خون میں تر ہے مجھ میں

◆◆◆

نہ دو نویدِ خوش انجام

نہ دو نویدِ خوش انجام ڈر گئے ہیں یہاں
دلوں پہ وصل کے صدمے گزر گئے ہیں یہاں

جدا جدا رہو یارو جو عافیت ہے عزیز
کہ اختلاط کے جلسے بکھر گئے ہیں یہاں

ہے تیرے جبر میں وہ لطف اختیار کہ بس
تمام حکم دلوں میں اتر گئے ہیں یہاں

عجب طلسم ہے کچھ شہر سر شناسی کا
ادھر جو پاؤں اٹھے ہیں تو سر گئے ہیں یہاں

امیر شہر بہت ناسپاس ہے ترا شہر
ہوا ہے جشن تو چہرے اتر گئے ہیں یہاں

جو دوسروں کے تکلم میں جان ڈالتے تھے
وہ لوگ اپنے ہی ہونٹوں پہ مر گئے ہیں یہاں

◆◆◆

روح پیاسی کہاں سے

روح پیاسی کہاں سے آتی ہے
یہ اداسی کہاں سے آتی ہے

ہے وہ یک سر سپردگی تو بھلا
بدحواسی کہاں سے آتی ہے

وہ ہم آغوش ہے تو پھر دل میں
ناسپاسی کہاں سے آتی ہے

ایک زندان بے دلی اور شام
یہ صبا سی کہاں سے آتی ہے

تو ہے پہلو میں پھر تری خوشبو
ہو کے باسی کہاں سے آتی ہے

دل ہے شب سوختہ سو اے امید
تو نداسی کہاں سے آتی ہے

میں ہوں تجھ میں اور آس ہوں تیری

تو نراسی کہاں سے آتی ہے

◆◆◆

سارے رشتے بھلائے جائیں گے

سارے رشتے بھلائے جائیں گے
اب تو غم بھی گنوائے جائیں گے

جانیے کس قدر بچے گا وہ
اس سے جب ہم گھٹائے جائیں گے

اس کو ہو گی بڑی پشیمانی
اب جو ہم آزمائے جائیں گے

جون یوں ہے کہ آج کے موئی
آگ بس آگ لائے جائیں گے

کیا غرض دورِجام سے ہم کو
ہم تو شیشے چبائے جائیں گے

میری امید کو بجا کہہ کر
سب مرا دکھ بڑھائے جائیں گے

کم سے کم تجھ گلی میں جانا نہ
دھوم تو ہم مچائے جائیں گے

زخم پہلے کے اب مفید نہیں
اب نئے زخم کھائے جائیں گے

وہ خدا ہو کہ آدم و ابلیس
سب کے سب آزمائے جائیں گے

شاخسارو! تمہارے سارے پرند
اک نفس میں اڑائے جائیں گے

ہم جو اب تک کبھی نہ پائے گئے
کن زمانوں میں پائے جائیں گے

جمع ہم نے کیا ہے غم دل میں
اس کا اب سود کھائے جائیں گے

شہر کی محفلوں میں ہم اور وہ
ساتھ اب کیوں بلائے جائیں گے

آگ سے کھیلنا ہے شوق اپنا
اب ترے خط جلائے جائیں گے

یہ نکلے تمہارے کوچے کے
جانے کیا کچھ کمائے جائیں گے

ہے ہماری رسائی اپنے میں
ہم خود اپنے میں آئے جائیں گے

ہم نہ ہو کر بھی شہر بودش میں
آئے جائیں گئے جائے جائیں گے

مجھ سے کہتا تھا کل یہ شاہ بلوط
سارے سائے جلائے جائیں گے

ہو گا جس دن فنا سے اپنا وصال
ہم نہایت سجائے جائیں گے

◆◆◆

خود سے ہم اک نفس

خود سے ہم اک نفس ملے بھی کہاں
اس کو ڈھونڈیں تو وہ ملے بھی کہاں

غم نہ ہوتا جو کھل کے مرجھاتے
غم تو یہ ہے کہ ہم کھلے بھی کہاں

خوش ہو سینے کی ان خراشوں پر
پھر تنفس کے یہ صلے بھی کہاں

آگہی نے کیا ہو چاک جسے
وہ گریباں بھلا سلے بھی کہاں

اب تامل نہ کر دل خود کام
روٹھ لے، پھر یہ سلسلے بھی کہاں

خیمہ خیمہ گزار لے یہ شب
بامراداں یہ قافلے بھی کہاں

آؤ آپس میں کچھ گلے کر لیں
ورنہ یوں ہے کہ پھر گلے بھی کہاں

◆◆◆

دل میں اور دنیا میں اب نہیں

دل میں اور دنیا میں اب نہیں ملیں گے ہم
وقت کے ہمیشہ میں اب نہیں ملیں گے ہم

اپنی بے تقاضائی اپنی وضع ٹھیری ہے
حال پر تقاضا میں اب نہیں ملیں گے ہم

بود یا نبود اپنی اک گمان تھی اپنا
یعنی ''یا'' میں اور ''یا'' میں اب نہیں ملیں گے ہم

اب نہیں ملیں گے ہم کوچہ تمنا میں
کوچہ تمنا میں اب نہیں ملیں گے ہم

ایک خواب تھا دیروز اک فسون تھا امروز
اور کسی بھی فردا میں اب نہیں ملیں گے ہم

اب جنون ہے اپنا گوشہ گیر تنہائی
سو دیار و صحرا میں اب نہیں ملیں گے ہم

حرف زن نہ ہوں گے لب جاوداں خموشی میں
ہاں کسی بھی معنی میں اب نہیں ملیں گے ہم

زندگی شتاباں ہے شہر خفتہ کی جانب
شہر شور و غوغا میں اب نہیں ملیں گے ہم

ایک حال بے حالی دل کا طور ٹھیرا ہے
حال حالت افزا میں اب نہیں ملیں گے ہم

رونق گراں کوچہ جاناں

رونق گران کوچہ جاناں چلے گئے
سامانیان بے سرو ساماں چلے گئے

تھیں رونقیں کبھی جوشبوں کی وہ اب کہاں
خوابیدہ گرد شہر نگاراں چلے گئے

کر تہنیت قبولؔ ترے آستانے سے
دشوار تر تھے جوؔ بہت آساں چلے گئے

لب جنبشی کی اور ہی صورت ہو اب کوئی
بزم نوا کے پردہ شناساں چلے گئے

اب آپ صبح و شام مسیحائی کیجئے
وہ چارہ نا پذیر میاں جاں چلے گئے

اب دیر باوروں کا کیا کیجئے سراغ
وہ زود باوران ادب داں چلے گئے

اے سمت عنبرین شب انتظار یار
وہ انتظاریان صدر ارماں چلے گئے

اس کا بدن عجب ہوس انگیز ہے کہ ہے
ہم تو میاں چلے بھی گئے ہاں چلے گے

اس ہندنی نے ایسی جفائیں کریں کہ بس
ہندو تھے ہم سوہو کے مسلماں چلے گئے

تھا جون اس کا ناف پیالہ کہ مے کدہ
بس لڑکھڑا کے تشنہ لباناں چلے گئے

◆◆◆

ہے عجب تمہارا موسم دل و دیدہ

ہے عجب تمہارا موسم دل و دیدہ رائیگاں
نہ وصال جان و جاناں نہ فراق جان وجاناں

دم نیم شب سے پہلے نہ بکھر رہے یہ محفل
ہیں فروغ شب کہاں گم وہ دراز داستاناں

نہیں جز غبار کچھ بھی ترے دامن فضا میں
ہوئے گم کہاں بیاباں وہ غبار کارواناں

وہ پس دریچہ سے ہے اس آرزو میں یارو
کہ جچے ذرا گلی میں صف طعنہ برزباناں

رہے جس کی جیب سایہ بھی تہی نہ روشنی سے
وہی زندگی کریں گے ترے شعلہ آشیاناں

مری جان تجھ سے اب بھی نہیں بے معاملہ میں
میں گلہ کناں ہوں کب سے ہیں کہاں گلہ رساناں

◆◆◆

شمشیر میری' میری سپر کس

شمشیر میری' میری سپر کس کے پاس ہے
دو میرا خوذ' پر' مراسر کس کے پاس ہے

درپیش ایک کام ہے ہمت کا ساتھیو!
کسنا ہے مجھ کو' میری کمر کس کے پاس ہے

طاری ہو مجھ پہ کون سی حالت مجھے بتاؤ
میرا حساب نفع و ضرر کس کے پاس ہے

اے اہل شہر میں تو دعا گوے شہر ہوں
لب پر مرے دعا ہے' اثر کس کے پاس ہے

داد و ستد کے شہر میں ہونے کو آئی شام
خواہش ہے میرے پاس' خبر کس کے پاس ہے

پر حال ہوں' پہ صورت احوال کچھ نہیں
حیرت ہے میرے پاس' نظر کس کے پاس ہے

اک آفتاب ہے مری جیب نگاہ میں
پہنائی نمود سحر کس کے پاس ہے

قصہ کشور کا نہیں کوشک کا ہے کہ ہے
دروازہ سب کے پاس ہے، گھر کس کے پاس ہے

مہمان قصر ہیں ہمیں کچھ رمز چاہئیں
یہ پوچھ کے بتاؤ کھنڈر کس کے پاس ہے

ناخن بڑھے ہوئے ہیں مرے، مجھ سے کر حذر
یہ جا کے دیکھ نیل کٹر کس کے پاس ہے

یارا اجرا مزارہ شہر حرامیاں
اس شہر کی کلید ہنر کس کے پاس ہے

◆◆◆

اٹھ سمادھی سے دھیان کی

اٹھ سمادھی سے دھیان کی، اٹھ چل
اس گلی سے گمان کی، اٹھ چل

مانگتے ہوں جہاں لہو بھی ادھار
تونے واں کیوں دکان کی، اٹھ چل

بیٹھ مت ایک آستاں پہ ابھی
عمر ہے یہ اٹھان کی، اٹھ چل

کسی بستی کا ہو نہ پابستہ
سیر کر اس جہان کی، اٹھ چل

دل ہے جس غم ہمیشگی کا اسیر
ہے وہ بس ایک آن کی، اٹھ چل

جسم میں پاؤں ہیں ابھی موجود
جنگ کرنا ہے جان کی، اٹھ چل

تو ہے بے حال اور یہاں سازش
ہے کسی امتحان کی، اٹھ چل

ہیں مداروں میں اپنے سیارے
یہ گھڑی ہے امان کی، اٹھ چل

کیا ہے پردیس کو جو دیس کہا
تھی وہ لکنت زبان کی، اٹھ چل

ہر کنارہ خرام موج تجھے
یاد کرتی ہے بان کی، اٹھ چل

◆◆◆

ترے غرور کا حلیہ بگاڑ

ترے غرور کا حلیہ بگاڑ ڈالوں گا
میں آج تیرا گریبان پھاڑ ڈالوں گا

طرح طرح کے شگوفے جو چھوڑتا ہے تو
میں دل کا باغ نمو ہی اجاڑ ڈالوں گا

کہاں کا سیل ازل تا کنارگاہ ابد
میں ہوں عدمؔ میں سبھی کو لتاڑ ڈالوں گا

بہت ادا سے تو گزرا ہے چشمہ ساروں سے
یہ سن کہ راہ میں تیری میں باڑ ڈالوں گا

شگوفگی کی تری یاد جو دلاتے ہیں
میں ایسے سارے ہی پودے اکھاڑ ڈالوں گا

یہ طے کیا ہے کہ دریائے موج مستی کو
سراب دشت تپیدہ میں گاڑ ڈالوں گا

تمام نقش تمنا فریب تھے سو تھے
میں سارے نقش تمنا بگاڑ ڈالوں گا

جو رشتہ ہے دل و جاں کا ہے سر بہ سر جھوٹا
سؤ میں تو اب دل وجاں میں دراڑ ڈالوں گا

جھنڈولے بالوں کی پر فتنۂ اس سے کہہ دینا
میں اس کمین کو زندہ ہی گاڑ ڈالوں گا

مجھے تو اب اسے دنگل میں گندہ کرنا ہے
سؤ میں اسے برے حالوں پچھاڑ ڈالوں گا

◆◆◆

زنداناں شام وسحر خیریت

زنداناں شام و سحر خیریت سے ہیں
ہر لمحہ جی رہے ہیں مگر خیریت سے ہیں

شہر یقیں میں اب کوئی دم خم نہیں رہا
دشت گماں کے خاک بسر خیریت سے ہیں

آخر ہے کون جو کسی پل کہہ سکے یہ بات
اللہ اور تمام بشر خیریت سے ہیں

ہے اپنے طور پہ ہر چیز اس گھڑی
مژگان خشک و دامن تر خیریت سے ہیں

اب فیصلوں کا کم نظروں پر مدار ہے
یعنی تمام اہل نظر خیریت سے ہیں

پیروں سے آبلوں کا وہی ہے معاملہ
سودائیان حال کے سر خیریت سے ہیں

ہم جن گھروں کو چھوڑ کے آئے تھے ناگہاں
شکوے کی بات ہے، وہ اگر خیریت سے ہیں

لو چل رہی ہے، محو ہے اپنے میں دوپہر
خاک اڑ رہی ہے اور کھنڈر خریت سے ہیں

ہم اہل شہر اپنے جوانوں کے درمیاں
جون! ایک معجزہ ہے اگر خیریت سے ہیں

برباد ہو چکا ہے ہنر اک ہنر کے ساتھ
اور اپنے صاحبان ہنر خیریت سے ہیں

شکر خدا شہید ہوئے اہل حق تمام
برگستوان و تیغ و تبر خیریت سے ہیں

اب اس کا قصر ناز کہاں اور وہ کہاں
بس در ہے اور بندہ در خیریت سے ہیں
ہم ہیں کہ شاعری ہے ہمارے لئے عذاب
ورنہ تمام جوش و جگر خیریت سے ہیں

◆◆◆

مے خانہ طرف آیا یاراں

مے خانہ طرف آیا' یاراں! دل و جاں انگیز
وہ تشنہ لباں ہم دم تہ جرعہ کشاں انگیز

پہنچا ہے میانِ شہرؔ بادل زدگان شہر
وہ عشرتیاں آشوب' وہ حسرتیاں انگیز

شوریدہ سراں درپیش خونیں جگراں درپیش
گل گشت کو نکلا ہے' وہ جانِ جہاں انگیز

حلقے میں در آیا ہے کیا کوئی فراغت دوست؟
ہے سخت براشفتہ' وہ محنتیاں انگیز

خود مست ہے اور کتنا' تر دست ہے اور کیسا
وہ خود نگراں افگن' وہ منتظراں انگیز

ہے دیر بھی فریادی' کعبہ بھی ہے زنہاری
کس دھوم سے آیا وہ' یزداں شکناں انگیز

اے دل وہ بت شنگل، کیا طرفہ ادا ہو گا
میں ذکر سے جس کے ہوں، یاں مجلسیاں انگیز

کب تجھ کو دمکنا ہے، کب تجھ کو مہکنا ہے
اے رنگ یقیں افروز، اے بوے گماں انگیز

◆◆◆

وہی حساب تمنا ہے، اب بھی آ جاؤ

وہی حساب تمنا ہے، اب بھی آجاؤ
وہی ہے سر وہی سودا ہے، اب بھی آ جاؤ

جسے گئے ہوئے خود سے اب اک زمانہ ہوا
وہ اب بھی تم میں بھٹکتا ہے، اب بھی آ جاؤ

وہ دل سے ہار گیا ہے پر اپنی دانش میں
وہ شخص اب بھی یگانہ ہے، اب بھی آ جاؤ

میں خود نہیں ہوں کوئی اور ہے مرے اندر
جو تم کو اب بھی ترستا ہے، اب بھی آ جاؤ

میں یاں سے جانے ہی والا ہوں اب اگر اب تک
وہی ہے گھر وہی حجرہ ہے، اب بھی آ جاؤ

وہی کشاکش احساس ہے بہ ہر لمحہ
وہی ہے دل، وہی دنیا ہے، اب بھی آ جاؤ

تمہیں تھا ناز بہت جس کی نام داری پر
وہ سارے شہر میں رسوا ہے، اب بھی آ جاؤ

یہاں سے ساتھ ہی خوابوں کے شہر جائیں گے
وہی جنوں، وہی صحرا ہے، اب بھی آ جاؤ

مری شراب کا شہرہ ہے اب زمانے میں
سو یہ کرم ہے تو کس کا ہے، اب بھی آ جاؤ

یہ طور! جان جو ہے میری بد شرابی کا
مجھے بھلا نہیں لگتا ہے، اب بھی آ جاؤ

کسی سے کوئی بھی شکوہ نہیں مگر تم سے
ابھی تلک مجھے شکوہ ہے، اب بھی آ جاؤ

وہ دل کہ اب ہے لہو تھوکنا ہنر جس کا
وہ کم سے کم ابھی زندہ ہے، اب بھی آ جاؤ

نہ جانے کیا ہے کہ اب تک مرا خود اپنے سے
وہی جو تھا وہی رشتہ ہے، اب بھی آ جاؤ

وجود ایک تماشا تھا ہم جو دیکھتے تھے
وہ اب بھی اک تماشا ہے، اب بھی آ جاؤ

ابھی صدائے جرس کا نہیں ہوا آغاز
غبار ابھی نہیں اٹھا ہے، اب بھی آ جاؤ

ہے میرے دل کی گزارش کہ مجھ کو مت چھوڑو
یہ میری جاں کا تقاضا ہے، اب بھی آ جاؤ

کبھی جو ہم نے بڑے مان سے بسایا تھا
وہ گھر اجڑنے ہی والا ہے، اب بھی آ جاؤ

وہ جون کون ہے، جانے جو کچھ نہیں سنتا
ہے جانے کون جو کہتا ہے، اب بھی آ جاؤ

◆◆◆

یہ پیہم تلخ کامی سی رہی کیا

یہ پیہم تلخ کامی سی رہی کیا
محبت زہر کھا کر آئی تھی کیا

مجھے اب تم سے ڈر لگنے لگا ہے
تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی کیا

شکست اعتماد ذات کے وقت
قیامت آ رہی تھی، آ گئی کیا

مجھے شکوہ نہیں بس پوچھنا ہے
یہ تم ہنستی ہو اپنی ہی ہنسی کیا

ہمیں شکوہ نہیں اک دوسرے سے
منانا چاہیے اس پر خوشی کیا

پڑے ہیں ایک گوشے میں گماں کے
بھلا ہم کیا، ہماری زندگی کیا

میں رخصت ہو رہا ہوں، پر تمہاری
اداسی ہو گئی ہے ملتوی کیا

میں اب ہر شخص سے اکتا چکا ہوں
فقط کچھ دوست ہیں، اور دوست بھی کیا

محبت میں ہمیں پاس انا تھا
بدن کی اشتہا صادق نہ تھی کیا

نہیں رشتہ سموچا زندگی سے
نہ جانے ہم میں ہے اپنی کمی کیا

ابھی ہونے کی باتیں ہیں، سو کر لو
ابھی تو کچھ نہیں ہونا، ابھی کیا

یہی پوچھا کیا میں آج دن بھر
ہر اک انسان کو روٹی ملی کیا

جون گذشت وقت کی حالت حال پر سلام

جون گذشتہ وقت کی حالت حال پر سلام
اس کے فراق کو دعا' اس کے وصال پر سلام

تیرا ستم بھی تھا' کرم ' تیرا کرم بھی تھا ستم
بندگی تیری تیغ کو' اور تری ڈھال پر سلام

سودو زیاں کے فرق کا اب نہیں ہم سے واسطہ
صبح کو عرض کورنش' شام ملال پر سلام

اب تو نہیں ہے لذت ممکن شوق بھی نصیب
روز و شب زمانہ شوق محال پر سلام

ہجر سوال کے ہیں دن' ہجر جواب کے ہیں دن
اس کے جواب پر سلام' اپنے سوال پر سلام

جانے وہ رنگ مستی خواب و خیال کیا ہوئی
عشرت خواب کی ثنا عیش خیال پر سلام

جانے وہ رنگ مستیِ خواب و خیال کیا ہوئی
عشرتِ خواب کی ثنا عیشِ خیال پر سلام

اپنا کمال تھا عجب' اپنا زوال تھا عجب
اپنے کمال پر دورود اپنے زوال پر سلام

◆◆◆

وہ اپنے آپ سے بھی جدا چاہیے ہمیں

وہ اپنے آپ سے بھی جدا چاہیے ہمیں
اس کا جمال اس کے سوا چاہیے ہمیں

ہر لحہ جی رہے ہیں دوا کے بغیر ہم
چارہ گرو تمہاری دعا چاہیے ہمیں

پھر دیکھیے جو حرف بھی نکلے زبان سے
اک دن جو پوچھ بیٹھیے کیا چاہیے ہمیں

جانا نہیں ہے گھر سے نکل کے کہیں مگر
ہر ماہ رو کے گھر کا پتا چاہیے ہمیں

کہنے کو حق نگر ہیں حقیقت ہے آرزو
سچ پوچھیے اگر تو خدا چاہیے ہمیں

ہم موجہ شمیم کی صورت برہنہ ہیں
تو رنگ بن کے آ کہ ردا چاہیے ہمیں

اندازہ صدائے جرس سے حصول کیا
واماندگاں ہیں، دوش صبا چاہیے ہمیں

مدت سے ہم کسی کو نہیں دے سکے فریب
اے شہر التفات، وفا چاہیے ہمیں

ہر آن آخری ہے مگر اس کے باوجود
اس آن بھی یقین فنا چاہیے ہمیں

◆◆◆

اے صبح میں کہاں رہا

اے صبح! میں کہاں رہا ہوں
خوابوں ہی میں صرف ہو چکا ہوں

سب میرے بغیر مطمئن ہیں
میں سب کے بغیر جی رہا ہوں

کیا ہے جو بدل گئی ہے دنیا
میں بھی تو بہت بدل گیا ہوں

گو اپنے ہزار نام رکھ لوں
پر اپنے سوا میں اور کیا ہوں

میں جرم کا اعتراف کر کے
کچھ اور ہے جو چھپا گیا ہوں

میں اور فقط اسی کی خواہش
اخلاق میں جھوٹ بولتا ہوں

اک شخص جو مجھ سے وقت لے کر
آج آ نہ سکا تو خوش ہوا ہوں

ہر شخص سے بے نیاز ہو جا
پھر سب سے یہ کہہ کہ میں خدا ہوں

چرکے تو تجھے دیئے ہیں میں نے
پر خون بھی میں ہی تھوکتا ہوں

رویا ہوں تو اپنے دوستوں میں
پر تجھ سے تو ہنس کے ہی ملا ہوں

اے شخص! میں تیری جستجو سے
بے زار نہیں ہوں، تھک گیا ہوں

میں شام و سحر کا نغمہ گر تھا
اب تھک کے کراہنے لگا ہوں
کل پر ہی رکھو وفا کی باتیں
میں آج بہت بجھا ہوا ہوں

◆◆◆

مجھ کو آپ اپنا آپ

مجھ کو آپ اپنا آپ دیجئے گا
اور کچھ بھی نہ مجھ سے لیجئے گا

آپ بے مثل، بے مثال ہوں میں
مجھ سوا آپ کس پر ریجھیے گا

آپ جو ہیں ازل سے ہی بے نام
نام میرا کبھی تو لیجئے گا

آپ بس مجھ میں ہی تو ہیں، سو آپ
میرا بے حد خیال کیجئے گا

ہے اگر واقعی شراب حرام
آپ ہونٹوں سے میرے پیجئے گا

انتظاری ہوں اپنا میں دن رات
اب مجھے آپ بھیج دیجئے گا

آپ مجھ کو بہت پسند آئیں
آپ میری قمیص سی جیئے گا

دل کے رشتے ہیں جون جھوٹ کہ سچ
یہ معمہ کبھی نہ بوجھیے گا

ہے مرے جسم و جاں کا ماضی کیا
مجھ سے بس یہ کبھی نہ پوچھیے گا

مجھ سے میری کمائی کا سر شام
پائی پائی حساب لیجیے گا

زندگی کیا ہے اک ہنر کرنا
سؤ قرینے سے زہر پیجیے گا

میں جو ہوں، جون ایلیا جناب
اس کا بے حد لحاظ کیجیے گا

کوئی نہیں یہاں خموش

کوئی نہیں یہاں خموش، کوئی پکارتا نہیں
شہر میں ایک شور ہے اور کوئی صدا نہیں

آج وہ پڑھ لیا گیا جس کو پڑھا نہ جا سکا
آج کسی کتاب میں، کچھ بھی لکھا ہوا نہیں

اپنے سبھی گلے بجا، پر ہے کہ دل رہا
میرا ترا معاملہ عشق کے بس کا تھا نہیں

خرچ چلے گا اب مرا کس کے حساب میں بھلا
سب کے لئے بہت ہوں میں، اپنے لئے ذرا نہیں

جائیے خود میں رائگاں اور وہ یوں کہ دوستاں
ذات کا کوئی ماجرا ، شہر کا ماجرا نہیں

سینہ بہ سینہ لب بہ لب ایک فراق ہے کہ ہے
ایک فراق ہے کہ ہے، ایک فراق کیا نہیں

اپنا شمار کیجو اے میری جان! تو کبھی
میں نے بھی اپنے آپ کو آج تلک گنا نہیں

تو وہ بدن ہے جس میں جان' آج لگا ہے جی مرا
جی تو کہیں لگا ترا' سن' ترا جی لگا نہیں

نام ہی نام چار سُو' ایک ہجوم روبرو
کوئی تو ہو مرے سوا' کوئی مرے سوا نہیں

اپنی جبیں پہ میں نے آج دیں کئی بار دستکیں
کوئی پتا بھی ہے ترا' میرا کوئی پتا نہیں

◆◆◆

یہ جو سنا اک دن وہ

یہ جو سنا اک دن وہ حویلی یک سر بے آثار گری
ہم جب بھی سائے میں بیٹھے‘ دل پر اک دیوار گری

جوں ہی مڑ کر دیکھا میں نے‘ بیچ اٹھی تھی اک دیوار
بس یوں سمجھو میرے اوپر‘ بجلی سی اک بار گری

دھار پہ باڑ رکھی جائے اور ہم اس کے گھائل ٹھہریں
میں نے دیکھا اور نظروں سے ان پلکوں کی دھار گری

گرنے والی ان تعمیروں میں بھی ایک سلیقہ تھا
تم اینٹوں کی پوچھ رہے ہو‘ مٹی تک ہم وار گری

بیداری کے بستر پر میں ان کے خواب سجاتا ہوں
نیند بھی جن کی ٹاٹ کے اوپر خوابوں سے نادار گری

خوب ہی تھی وہ قوم شہیداں‘ یعنی سب بے زخم و خراش
میں بھی اس صف میں تھا شامل وہ صف جو بے وار گری

ہر لمحہ گھمسان کا رن ہے' کون اپنے اوسان میں ہے
کون ہے یہ؟ اچھا تو میں ہوں' لاش تو ہاں اک یار گری

◆◆◆

جو زندگی بچی ہے اسے

جو زندگی بچی ہے اسے مت گنوایئے
بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے بھول جایئے

ہر آن اک جدائی ہے خود اپنے آپ سے
ہر آن کا ہے زخم جو ہر آن کھایئے

تھی مشورت کہ ہم کو بسانا ہے گھر نیا
دل نے کہا کہ میرے درو بام ڈھایئے

تھوکا ہے میں نے خون ہمیشہ مذاق میں
میرا مذاق آپ ہمیشہ اڑایئے

ہر گز مرے حضور کبھی آیئے نہ آپ
اور آیئے اگر، تو خدا بن کے آیئے

اب کوئی بھی نہیں ہے کوئی دل محلے میں
کس کس گلی میں جایئے اور غل مچایئے

اک طور وہ صدی تھا جو بے طور ہو گیا
اب جنتری بجایئے' تاریخ گایئے

اک لال قلعہ تھا جو میاں زرد پڑ گیا
اب رنگ ریز کون سے کس جا سے لایئے

شاعر ہیں آپ یعنی کہ سستے لطیفہ گو
رشتوں کو دل سے رویئے' سب کو ہنسایئے

جو حالتوں کا دور تھا' وہ تو گزر گیا
دل کو جلا چکے ہیں' سو اب گھر جلایئے

اب کیا فریب دیجئے اور کس کو دیجئے
اب کیا فریب کھایئے اور کس سے کھایئے

ہے یاد پر مدار مرے کاروبار کا
ہے عرض آپ مجھ کو بہت یاد آیئے
بس فائلوں کا بوجھ اٹھایا کریں جناب
مصرع یہ جون کا ہے اسے مت اٹھایئے

◆◆◆

مجھے غرض ہے مری جان

مجھے غرض ہے مری جان غل مچانے سے
نہ تیرے آنے سے مطلب ' نہ تیرے جانے سے

عجیب ہے مری فطرت کہ آج ہی مثلاً
مجھے سکون ملا ہے ترے نہ آنے سے

اک اجتہاد کا پہلو ضرور ہے تجھ میں
خوشی ہوئی ترے نا وقت مسکرانے سے

یہ میرا جوشِ محبت فقط عبارت ہے
تمہاری چکنی رانوں کو نوچ کھانے سے

مہذب آدمی پتلون کے بٹن تو لگا
کہ ارتقا ہے عبارت بٹن لگانے سے

◆◆◆

تو اگر آئیو تو

تو اگر آئیو تو جائیو مت
اور اگر جائیو تو آئیو مت

پاس حالات ہے ضرور سو تو
مسکراؤ تو مسکرائیو مت

اک قیامت عذاب ہے یہ زمیں
تو اسے آسمان پر ڈھائیو مت

جا رہے ہو تو جاؤ لیکن اب
یاد اپنی مجھے دلائیو مت

دل ہے خواب زمردین خیال
تو اسے اب کبھی جگائیو مت

ہے مرا یہ ترا پیالہ ناف
اس سے غیر کو پلائیو مت

گوشہ گیر غبار دشت امید
تو کبھی اپنا گھر بائیو مت

میری تو خود تجھی سے دوری ہے
سؤ مجھے تو گلے لگائیو مت

شب ظلمانی سحر ناپید
مختصر داستاں سنائیو مت

یہ لہو تھوکنا ہے اک پیشہ
کوئی پیشہ وری دکھائی مت

کیا بھلا جز خیال ہیں ہم تم
مجھ سے اپنے کو تو چھڑائیو مت

جاودانی ہے بات لمحے کی
تو مجھے روز روز بھائیو مت

دین دل میں جہاد ہے ممنوع
تو یونہی اپنا سر کٹائیو مت

ہیں یہ لمحات، جاوداں جانی
اپنی بے چینیاں دبائیو مت

شوق کا اک بجار ہوں میں تو
تم کبھی بھی مجھے سدھائیو مت

◆◆◆

آفرینش ہی فن کی

آفرینش ہی فن کی ہے ایجاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

خود بھی خود سے کبھی رہو آزاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

فن ہے اپنے زیاد سے بھی زیاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

ہے گماں ہی گمان کی بنیاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

تم بھی تو اک جہاں کرو ایجاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

اور بھی ہم میں ہیں کئی افراد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

کوئی بنیاد کی نہیں بنیاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

نہیں اندر جہاں جہاں آباد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

سخت آفت رساں ہے یاد کی یاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

جو ہے استاذ وہ ہے بے استاد
یہی بابا الف کا ہے ارشاد

◆◆◆

بد دلی میں بے قراری

بد دلی میں بے قراری کو قرار آیا تو کیا
پا پیادہ ہو کے کوئی شہ سوار آیا تو کیا

زندگی کی دھوپ میں مرجھا گیا میرا شباب
اب بہار آئی تو کیا، ابر بہار آیا تو کیا

میرے تیور بجھ گئے، میری نگاہیں جل گئیں
اب کوئی آئینہ رو آئینہ دار آیا تو کیا

اب کہ جب جاناں نہ تم کو ہے سبھی پر اعتبار
اب تمھیں جاناں نہ مجھ پر اعتبار آیا تو کیا

اب مجھے خود اپنی بانہوں پر نہیں ہے اختیار
ہاتھ پھیلائے کوئی بے اختیار آیا تو کیا

وہ تو اب بھی خواب ہے، بیدار بینائی کا خواب
زندگی میں خواب میں اس کے گزار آیا تو کیا

ہم یہاں بیگانہ ہیں، سو ہم میں سے جون ایلیا
کوئی جیت آیا یہاں اور کوئی ہار آیا تو کیا

◆◆◆

ایک آفت ہے وہ پیالہ ناف

ایک آفت ہے وہ پیالہ ناف
کیا قیامت ہے وہ پیالہ ناف

اب ہاں ہوش ہم کو حشر تلک
کہ سلامت ہے وہ پیالہ ناف

جونؔ بابا الف کا ہے ارشاد
کار وحدت ہے وہ پیالہ ناف

زندگی آرزو کا قامت ہے
ناف قامت ہے وہ پیالہ ناف

ہے اسی کی گدائی پر گزران
دل کی دولت ہے وہ پیالہ ناف

اس کی جنبش ہے تشنگی انگیز
حشر حالت ہے وہ پیالہ ناف

زندگی ہے شرابیوں کی حرام
قدر حرمت ہے وہ پیالہ ناف

کوئی اس کی رسد نہیں جز رنگ
خون حسرت ہے وہ پیالہ ناف

◆◆◆

عالم سا عالم ہے

عالم سا عالم ہے، اب تم یاد نہیں آتے
کیسا قاتل غم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

دنیا یعنی دنیا میری دل دنیا
درہم اور برہم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

اک بے احوالی سی ہے ایسی جو ہے بیش از بیش
حالت دل کم کم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

زخم ہیں سینے کے کجلائے اور سر شب سے
داغ کی لو مدھم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

اب ہیں تمہاری الجھی زلفیں سلجھانا آسان
زلف شب بے خم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

زخموں کی ہر فصل ہے گزری، بس بے فصلی ہے
مرہم ہی مرہم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

دشت تحیر بے جنبش ہے اور عجب کچھ ہے
ہر آہو بے رم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

اب نہیں دل کا کوئی زمانہ، کوئی زمانہ بھی
آن سی اب جم جم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

اب تو بس روز انگی یک طور کی حالت ہے
جو کچھ ہے پیہم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

سوز و سلام و مرثیہ کیا، کیسا ذکر بھلا
مجلس بے ماتم ہے، اب تم یاد نہیں آتے

◆◆◆

غم گساروں کو مجھ سے

غم گساروں کو مجھ سے مطلب کیا
جو بھی ہونا تھا ہو چکا' اب کیا

پرسش حال ہے' نہ رسم تپاک
ہو گیا ہوں بہت مقرب کیا

ہو رہا ہوں یہاں وہاں روپوش
بستیاں ہو گئیں مہذب کیا

خود سے کرتا ہے سوز فن کا سخن
ہیں مرے داغ سب مرتب کیا

حال شعلہ در لب فریاد
راکھ بھی ہو سکے ترے لب کیا

وہ جو ہے' ہے عجب ہوس انگیز
ہے بہت پاک اس کا قالب کیا

کیا کہوں رزق اول شب کی
ہے مرا رزق آخر شب کیا

اب تو اپنے سے دور پار ہوں میں
تو اگر مل گیا مجھے تب کیا

وار کاری ہے ساتھیو! یارو
لو سنبھالو! چلے گئے سب کیا

جونؔ او خون تھوکنے والے!
اب دکھاتا ہے تجھے کرتب کیا

اے خدا ساز بندگان خدا
خود سبب بن گیا مسبب کیا

چاہیے دفتر ہمیشہ بود
یعنی ہونا ہے آخرش کب کیا

دل کو کرنا ہے زندگی دو پل
اس کا نسخہ ہے مجرب کیا

کوئی معنی نہیں کسی شے کے
اور اگر ہوں بھی، تو میاں تب کیا

◆◆◆

دل ہے بسمل، پڑا

دل ہے بسمل، پڑا تڑپتا ہے
اپنا قاتل پڑا تڑپتا ہے

اک مقابل طلب سر میداں
بے مقابل پڑا تڑپتا ہے

وہ طلب میں ہے جس کے محمل رنگ
پس محمل پڑا تڑپتا ہے

راہ منزل میں تھا جو رقص کناں
سر منزل پڑا تڑپتا ہے

بس تڑپنے کی تھی ہوس جس کو
اب بہ مشکل پڑا تڑپتا ہے

کچھ تو احساس کر کہ تیرے حضور
کیسا قابل پڑا پڑپتا ہے

میرؔ محفل کا طور ہے بے طور
بیچ محفل پڑا تڑپتا ہے

اک نفس ہے کہ دو نفس کے بیچ
ہو کے حائل پڑا تڑپتا ہے

نہ تو کوئی وصال ہے، نہ فراق
بس میاں دل پڑا تڑپتا ہے

◆◆◆

ہائے جانانہ کی

ہائے جانانہ کی مہماں داریاں
اور مجھ دل کی بدن آزاریاں

ڈھا گئیں دل کو تری دہلیز .... پر
تیری قتالہ .... سرینیں .... بھاریاں

اف، شکن ہائے شکم، جانم تری
کیا کٹاریں ہیں، کٹاریں کاریاں

ہائے تیری چھاتیوں کا تن تناؤ
پھر تری مجبوریاں، ناچاریاں

تشنہ لب ہے کب سے دل سا شیر خوار
تیرے دودھوں سے ہیں چشمے جاریاں

دکھ غرور حسن کے جانا ہے کون
کس نے سمجھیں حسن کی دشواریاں

اپنے دربان کو سنبھالے رکھیے
ہیں ہوس کی اپنی عزت داریاں

ہیں سدھاری کون سے شہروں طرف
لڑکیاں وہ دل گلی کی ساریاں

خواب و تعبیر کے بس کے نہ تھے
دوستوں نے ان پہ جانیں واریاں

خلوت مضراب ساز ناز میں
چاہئیں ہم کو تری سسکاریاں

لفظ و معنی کا بھم کیوں ہے سخن
کس زمانے میں تھیں ان میں یاریاں

شوق کا اک داؤ بے شوقی بھی ہے
ہم ہیں اس کے حسن کے انکاریاں

مجھ سے بد طوری نہ کر او شہر یار
میرے جوتوں کے ہیں تلوے خاریاں

کہا گئیں اس ظالم مظلوم کو
میری مظلومی نما عیاریاں

◆◆◆

سلسلہ جنباں اک تنہا سے

سلسلہ جنباں اک تنہا سے روح کسی تنہا کی تھی
ایک آواز ابھی آئی تھی، وہ آواز ہوا کی ۔۔تھی

بے دنیائی نے اس دل کی اور بھی دنیا وار کیا
دل پر ایسی ٹوٹی دنیا، ترک ذرا دنیا کی تھی

میری رنگ تمنائی بھی فصلوں میرے کام آئی
میرے گماں کی خوشبو اس کی رنگت کو پہنا کی تھی

اپنے اندر ہنستا ہوں میں اور بہت شرماتا ہوں
خون بھی تھوکا، سچ مچ تھوکا اور یہ سب چالاکی تھی

اپنے آپ سے جب میں گیا ہوں، تب کی روایت سنتا ہوں
آ کر کتنے دن تک اس کی یاد مجھے پوچھا کیا تھی

ہوں سودائی سودائی سا جب سے میں نے جانا ہے
طے وہ راہ سر سودائی میں نے بے سودا کی تھی

گرد تھی بے گانہ گردی کی جو تھی نگہ میری، تاہم
جب بھی کوئی صورت بچھڑی، آنکھوں میں تمنا کی تھی

ہے یہ قصہ کتنا اچھا، پر میں اچھا سمجھوں تو
ایک تھا کوئی جس نے یک دم یہ دنیا پیدا کی تھی

◆◆◆

ہم آندھیوں کے بن میں کسی

ہم آندھیوں کے بن میں کسی کارواں کے تھے
جانے کہاں سے آئے ہیں، جانے کہاں کے تھے

اے جان داستاں! تجھے آیا کبھی خیال
وہ لوگ کیا ہوئے جو تری داستاں کے تھے

ہم تیرے آستاں پہ یہ کہنے کو آئے ہیں
وہ خاک ہو گئے جو ترے آستاں کے تھے

مل کر تپاک سے نہ ہمیں کیجئے اداس
خاطر نہ کیجئے کبھی ہم بھی یہاں کے تھے

کیا پوچھتے ہو نام و نشان مسافراں
ہندوستاں میں آئے ہیں، ہندوستاں کے تھے

اب خاک اڑ رہی ہے یہاں انتظار کی
اے دل! یہ بام و در کسی جان جہاں کے تھے

ہم کس کو دیں بھلا در و دیوار کا حساب
یہ ہم جو ہیں، زمیں کے نہ تھے آسماں کے تھے

ہم سے چھنا ہے ناف پیالہ ترا میاں
گویا ازل سے ہم صف لب تشنگاں کے تھے

ہم کو حقیقتوں نے کیا ہے خراب و خوار
ہم خواب خواب اور گمان گماں کے تھے

صد یاد یاد جون وہ ہنگام دل کہ جب
ہم ایک گام کے نہ تھے، پر ہفت خواں کے تھے

وہ رشتہ ہائے ذات جو برباد ہو گئے
میرے گماں کے تھے کہ تمہارے گماں کے تھے

ٹھیک ہے خود کو ہم

ٹھیک ہے خود کو ہم بدلتے ہیں
شکریہ مشورت کا' چلتے ہیں

ہو رہا ہوں میں کس طرح برباد
دیکھنے والے ہاتھ ملتے ہیں

ہے وہ جان اب ہر ایک محفل کی
ہم بھی اب گھر سے کم نکلتے ہیں

کیا تکلف کریں یہ کہنے میں
جو بھی خوش ہے ہم اس سے جلتے ہیں

ہے اسے دور کا سفر درپیش
ہم سنبھالے نہیں سنبھلتے ہیں

ہم بنو رنگ' تم بنو خوشبو
ہم تو اپنے سخن میں ڈھلتے ہیں

میں اسی طرح تو بہلتا ہوں
اور سب جس طرح بہلتے ہیں

ہے عجب فیصلے کا صحرا بھی
چل نہ پڑیے تو پاؤں جلتے ہیں

◆◆◆

ہم بہ صد ناز دل و جاں

ہم بہ صد ناز دل و جاں میں بسائے بھی گئے
پھر گنوائے بھی گئے اور بھلائے بھی گئے

ہم ترا ناز تھے، پھر تیری خوشی کی خاطر
کر کے بے چارہ ترے سامنے لائے بھی گئے

کج ادائی سے سزا کج کلہی کی پائی
میرِ محفل تھے، سو محفل سے اٹھائے بھی گئے

کیا گلہ، خون جو اب تھوک رہے ہیں جاناں
ہم ترے رنگ کے پرتو سے سجائے بھی گئے

ہم سے روٹھا بھی گیا، ہم کو منایا بھی گیا
پھر سبھی نقش تعلق کے مٹائے بھی گئے

جمع و تفریق تھے ہم مکتبِ جسم و جاں کی
کہ بڑھائے بھی گئے اور گھٹائے بھی گئے

جون! دل، شہر حقیقت کو اجاڑہ بھی گیا
اور پھر شہر توہم کے بسائے بھی گئے

◆◆◆

اپنے سب یار کام

اپنے سب یار کام کر رہے ہیں
اور ہم ہیں کہ نام کر رہے ہیں

تیغ بازی کا شوق اپنی جگہ
آپ تو قتل عام کر رہے ہیں

داد و تحسین کا یہ شور ہے کیوں
ہم تو خود سے کلام کر رہے ہیں

ہم ہیں مصروف انتظام مگر
جانے کیا انتظام کر رہے ہیں

ہے وہ بیچارگی کا حال کہ ہم
ہر کسی کو سلام کر رہے ہیں

اک قتالہ چاہیے ہم کو
ہم یہ اعلان عام کر رہے ہیں

کیا بھلا ساغر سفال کہ ہم
ناف پیالے کو جام کر رہے ہیں

ہم تو آئے تھے عرض مطلب کو
اور وہ احترام کر رہے ہیں

نہ اٹھے آہ کا دھواں بھی کہ وہ
کوئے دل میں خرام کر رہے ہیں

اس کے ہونٹوں پہ رکھ کے ہونٹ اپنے
بات ہی ہم تمام کر رہے ہیں

ہم عجب ہیں کہ اس کے کوچے میں
بے سبب دھوم دھام کر رہے ہیں

تم حقیقت نہیں ہو

تم حقیقت نہیں ہو حسرت ہو
جو ملے خواب میں وہ دولت ہو

میں تمہارے ہی دم سے زندہ ہوں
مر ہی جاؤں جو تم سے فرصت ہو

تم ہو خوشبو کے خواب کی خوشبو
اور اتنی ہی بے مروت ہو

تم ہو پہلو میں پر قرار نہیں
یعنی ایسا ہے جیسے فرقت ہو

تم ہو انگڑائی رنگ و نکہت کی
کیسے انگڑائی سے شکایت ہو

کس طرح چھوڑ دوں تمہیں جاناں
تم مری زندگی کی عادت ہو

کس لئے دیکھتی ہو آئینہ
تم تو خود سے بھی خوب صورت ہو

داستاں ختم ہونے والی ہے
تم مری آخری محبت ہو

◆◆◆

دل میں کم کم ملال

دل میں کم کم ملال تو رکھیے
نسبت ماہ و سال تو رکھیے

صبر تو آنے دیجیے دل کو
اپنا پانا محال تو رکھیے

رہے جاناں کی یاد تو دل میں
دشت میں اک غزال تو رکھیے

آپ اپنی گلی کے سائل کو
کم سے کم پر سوال تو رکھیے

جانے مجھ سے یہ کون کہتا تھا
آپ اپنا خیال تو رکھیے

تیغ تو جون پھینک دیجیے مگر
ہاتھ میں اپنے ڈھال تو رکھیے

حالت فرقت ہمیشہ میں
درمیاں کوئی حال تو رکھئے

آج دو لمحہ اپنی بانہوں کو
میری بانہوں میں ڈال تو رکھئے

ایک ناسور لے کے آیا ہوں
خواہش اندمال تو رکھئے

ایک شے احترام علم بھی ہے
اس کا کچھ کچھ خیال تو رکھئے

ڈھونڈ کر لایئے کہیں سے ہمیں
اپنی کوئی مثال تو رکھئے

ہے نگاہ ہوس مری حاضر
اپنے گالوں کو لال تو رکھئے

ناف پیالہ نہ آپ چھلکائیں
اس کو ہم پر حلال تو رکھئے

ہے وہ ناپیدؔ ہو مگر خود میں
طور ہجر و وصال تو رکھیے

جون بے حال تو ہو لیکن آپ
حالت حال تو رکھیے

◆◆◆

یہ غم کیا دل کی

یہ غم کیا دل کی عادت ہے؟ نہیں تو
کسی سے کچھ شکایت ہے؟ نہیں تو

ہے وہ اک خواب بے تعبیر اس کو
بھلا دینے کی نیت ہے؟ نہیں تو

کسی کے بن، کسی کی یاد کے بن
جئے جانے کی ہمت ہے؟ نہیں تو

کسی صورت بھی دل لگتا نہیں؟ ہاں
تو کچھ دن سے یہ حالت ہے؟ نہیں تو

ترے اس حال پر ہے سب کو حیرت
تجھے بھی اس پہ حیرت ہے؟ نہیں تو

وہ درویشی جو تج کر آ گیا تو
یہ دولت اس کی قیمت ہے؟ نہیں تو

ہم آہنگی نہیں دنیا سے تیری
تجھے اس پر ندامت ہے؟ نہیں تو

ہوا جو کچھ یہی مقسوم تھا کیا
یہی ساری حکایت ہے؟ نہیں تو

اذیت ناک امیدوں سے تجھ کو
اماں پانے کی حسرت ہے؟ نہیں تو

◆◆◆

اک گلی تھی جب اس

اک گلی تھی جب اس سے ہم نکلے
ایسے نکلے کہ جیسے دم نکلے

جن سے دل کا معاملہ ہوتا
یاں بہت کم ہی ایسے غم نکلے

جو پھرے در بدر یہاں وہ لوگ
اپنے باہر بہت ہی کم نکلے

آگ دل شہر میں لگی جس دن
سب سے آخر میں واں سے ہم نکلے

جون یہ جو وجود ہے یہ وجود
کیا بنے گی اگر عدم نکلے

شکوہ یہ ہے کہ وہ بھی نکلا
ہے ندامت کہ ہم بھی ہم نکلے

◆◆◆

دوغزلہ

خلوت جاں کی زندگی نذر سفر تو ہو گئی
یعنی ہماری آرزو خاک بسر تو ہو گئی

سوز فغان حال سے جل گئے لب مرے مگر
اہل محلہ فراق' تم کو خبر تو ہو گئی

ہے مرا خواب پر عذاب' سب کے ہیں خواب مہرتاب
میری سحر نہیں ہوئی سب کی سحر تو ہو گئی

وصل و فراق کیا بھلا' وقت تو سہہ لیا گیا
اس کی گزر تو ہو گئی' میری بسر تو ہو گئی

دل ہمہ زخم زخم ہے' جاں ہمہ داغ داغ ہے
پیکر پر نگار پر ایک نظر تو ہو گئی

سوئے شمال سبز سے آئی تھی ایک سرخ موج
یعنی نشاط دل کی یاد' خون میں تر تو ہو گئی

تجھ کو بھلا گلہ ہے کیوں، تو جو ہے زار اور زبوں
جون تری مہم جو تھی، ہار کے سر تو ہو گئی

◆◆◆

کچھ بھی ہوا پر اپنے

کچھ بھی ہوا پر اپنے ساتھ اپنی گزر تو ہو گئی
چاہے کسی طرح ہوئی، عمر بسر تو ہو گئی

اس کا نہ تھا کوئی ملال اور نہ کوئی حال حال
شام گہ ملال میں مجھ کو خبر تو ہو گئی

رود فغان خامشی دل میں ہے ایک موج زن
ایک عجیب واردات لب کے ادھر تو ہو گئی

سمت گماں کی تھی عطا ایک ہوائے عنبرین
رہے سفر کی جون زاد سفر تو ہو گئی

ہے شب دل میں خیمہ زن ایک سرود روشنی
تم کو سحر کی تھی ہوس، جون سحر تو ہو گئی

اس کو نہیں تھا میرا پاس، جاتے ہوئے نگاہ سے
مجھ کو خوشی ہے روزی دیدہ تر تو ہو گئی

اب لب پر نفس سے ہے اپنا گزر نفس نفس
اپنے لئے اک آپ میں، راہ گزر تو ہو گئی

تمکنت خیال میں، میں نے کہا کہ تم ہو کیا
یعنی کہ اک گزارش بار دگر تو ہو گئی

پر سخنان پر سکوت، شکوہ کناں ہو کس لئے
عرض ہنر کئے بغیر عرض ہنر تو ہو گئی

◆◆◆

رنگ آجائے گا

رنگ آ جائے گا، رنگیں نظراں آئیں کہیں
بزم بے رنگ ہے، خونیں جگراں آئیں کہیں

نہیں اب یاد میں اس شوخ کی فریاد و فغاں
شہر خاموش ہے شوریدہ سراں آئیں کہیں

بجھ نہ جائیں کہیں اب شمع کے ساتھ آنکھیں بھی
حالت آخر شب خوش خبراں آئیں کہیں

کس سے محرومی دیدار کا چھیڑوں میں سخن
دید کم کم ہے یہاں، دیدہ وراں آئیں کہیں

حالت حال میں بسمل ہے عبث کی محفل
اب دم رقص ہے قاتل گمراں آئیں کہیں

طرف عشق سے کچھ اہل ہوس نکلے تھے
سپر انداز ہیں سب، بے سپراں آئیں کہیں

◆◆◆

فریادِ غم

فریاد سے غم دریغ رکھوں
میں گریے سے نم دریغ رکھوں

وہ غیرتِ شوق ہے کہ میں تو
آذر سے صنم دریغ رکھوں

مت پوچھ مری یگانہ رندی
میں جام سے جم دریغ رکھوں

ہوں وحشت میں انس کے فروکش
آہو سے میں رم دریغ رکھوں

ہے حرصِ زیاں روشنائی
کاغذ سے قلم دریغ رکھوں

میں رشک زدہ خود اپنے لب سے
اس لب کی قسم دریغ رکھوں

اک ایسا سفر ہے مجھ کو درپیش
جس سے میں قدم دریغ رکھوں

ہوں جس رہ خم بہ خم کا رہ رو
میں اس سے ہی خم دریغ رکھوں

جس شخص کا ہے بہا مری جان
میں اس سے درم دریغ رکھوں

◆◆◆

تمہاری یاد سے جب ہم

تمہاری یاد سے جب ہم گزرنے لگتے ہیں
جو کوئی کام نہ ہو بس وہ کرنے لگتے ہیں

تمہارے آئینۂ ذات کے تصور میں
ہم اپنے آئینہ آگے سنورنے لگتے ہیں

تمہارے کوچہ جاں بخش کے قلندر بھی
عجیب لوگ ہیں ہر لحہ مرنے لگتے ہیں

ہم اپنی حالت بے حالیِ اذیت میں
نہ جانے کس کو کسے یاد کرنے لگتے ہیں

بہت اداس ہوں میں غم سدا نہیں رہتا
بہت اداس ہوں میں زخم بھرنے لگتے ہیں

انہیں میں تیری تمنا کا فن سکھاتا ہوں
جو لوگ تیری تمنا سے ڈرنے لگتے ہیں

یہاں میں ذکر نہیں کر رہا مکینوں کا
کبھی کبھی درو دیوار مرنے لگتے ہیں

◆◆◆

کتنے عیش سے رہتے ہوں گے

کتنے عیش سے رہتے ہوں گے، کتنے اتراتے ہوں گے
جانے کیسے لوگ وہ ہوں گے جو اس کو بھاتے ہوں گے

شام ہوئے خوش باش یہاں کے میرے پاس آ جاتے ہیں
میرے بجھنے کا نظارہ کرنے آجاتے ہوں گے

وہ جو نہ آنے والا ہے نا، اس سے مجھ کو مطلب تھا
آنے والوں سے کیا مطلب، آتے ہیں، آتے ہوں گے

اس کی یاد کی باد صبا میں اور تو کیا ہوتا ہو گا
یوں ہی میرے بال ہیں بکھرے اور بکھر جاتے ہوں گے

یارو! کچھ تو ذکر کرو تم اس کی قیامت بانہوں کا
وہ جو سمٹتے ہوں گے ان میں، وہ تو مرجاتے ہوں گے

میرا سانس اکھڑتے ہی سب بین کریں گے، روئیں گے
یعنی، میرے بعد بھی یعنی، سانس لئے جاتے ہوں گے

◆◆◆

نا گنجا

کہاں ہے سمت گماں وہ جہان جاں پرور
کہ جس کی شش جہتی کا فسون چشم کشا
دلوں میں پھیلتا ہے منزلوں میں پھیلتا ہے
جہاں سخن ہے سماعت نظر ہی منظر ہے
جہاں حروف لبوں سے کلام کرتے ہیں
جہاں وجود کے معنی خرام کرتے ہیں

◆◆◆

بودش

گریزا کہکشانوں میں
سرآشفتہ عبث کا ایک درہم کالبد شپیو رزن
ہردم خود اپنے آپ کی درہم زنی برہم زنی کی
حالت ہا کول جحیم جہاں سوزی میں جلتا ہے
فنا انفاس تاریکی کے مرغولے اگلتا ہے
یہ بالا کیا یہ ژرفا کیا یہ پہنا کیا؟
کوئی معنی نہیں بودش کے کوئی بھی نہیں کوئی
سراب وہم کے خوابیدہ گردوں کی دوش ہے
سوئے ہرزہ سوئے ہرزہ
ادراک دریوزگی پیشہ گماں کی بند بازی ہے
خیال دور پرواز جہات بے نہایت کی جو ساری مزد ہے
وہ نسل آدم کے ملال دل گرانی کے سوا کیا ہے
ازل ہائے ازل کا اور ابد ہائے ابد کا جو عبث ہے
اس کی آخر کیا شمارش ہے
شمارش کا گلہ کیا ہے
کسی کے زوزہ گفتار میں آخر رکھا کیا ہے
یہ جو کچھ بھی ہے جو کچھ
ایک بخشش، چشم بندی کی زبوں فرجام بخشش ہے

یہ منظر چہرہ پر چیں رستاخیز ہر لمحہ کا منظر ہے
جو یکسر واژگوں ہے اور نگوں سر ہے
جو بینائی کی ہر دم خوار کاری ہے
سو جو لمحہ ہے بینش کا وہ بس شکوہ گزاری ہے
سو جو مقسم ہے دانش کا وہ دیوانہ واری ہے
یہاں اندازہ گیری کا جو لمحہ ہے نکوہش ہے
کوئی معنی نہی بودش کے بودش خوار کا وہم بودش ہے
ازل سے جس کا مفہوم خجستہ اس نفس تک ایک ہرزہ ہے
سبھی کچھ ایک یکسر ناسزیدہ تر تماشے کا تماشا ہے

اہورا اور انسان اور اہرمن
بس اک ننگین و شرم آور سرانجامی کے تنور ہمیشہ حال کا
بے مایہ ہیزم ہیں
یہ اپنے آپ ہی سے جو سراسر وہم ہے
بیشینہ بے اندازہ تر کم ہیں
یہ بالا کیا' یہ ژرفا کیا' یہ پہنا کیا؟
کوئی معنی نہیں بودش کے کوئی بھی نہیں کوئی

◆◆◆

خلوت

مجھے تم اپنی بانہوں میں جکڑ لو اور میں تم کو
کسی بھی دل کشا جذبے سے یکسر ناشناسانہ
نشاط رنگ کی سرشاری حالت سے بیگانہ
مجھے تم اپنی بانہوں میں جکڑ لو اور تم کو

فسوں کارا، نگارا، نوبہارا، آرزو آرا!
بھلا لمحوں کا میری اور تمہاری خواب پرور
آرزو مندی کی سرشاری سے کیا رشتہ
ہماری باہمی یادوں کی دل داری سے کیا رشتہ
مجھے تم اپنی بانہوں میں جکڑ لو اور میں تم کو
یہاں اب تیسرا کوئی نہیں یعنی محبت بھی

◆◆◆

روپوشی

یاد میں خوف ہے
سخت افتاد ہے
جاں گسل جبر تعزیر ایجاد ہے

لمحہ لمحہ درختان پر سایہ کی شام ناشاد میں خوف ہے
خش خش باد تنہائی افتاد میں
پرتو نیم رنگ گماں ہائے دل زاد میں خوف ہے

میں تو اب یاد سے
یاد کے جاں گسل جبر تعزیر ایجاد سے
اپنے دل کو بچائے ہوئے
بود کی رائیگانی میں روپوش ہوں
خود فراموش ہوں
یاد میں خوف ہے

◆◆◆

تمہارا فیصلہ جاناں

تمہارا فیصلہ جاناں! مجھے حد پسند آیا
پسند آنا ہی تھا جاناں
ہمیں اپنے سے اتنی دور تک جانا ہی تھا جاناں
بجا ہے خانماں سوز آرزوؤں' تیرہ امیدوں
سراسر خوں شدہ خوابوں' نوازش گر سرابوں
ہاں سرابوں کی قسم یک سر بجا ہے
اب ہمارا جان و دل کے جاوداں' دل جان رشتے کو
اور اس کی زخم خوردہ یاد تک کو بے نیازانہ
بھلا دینا ہی اچھا ہے
وہ سرمایۂ وہ دل سے بے بہا تر جاں کا سرمایہ
گنوا دینا ہی اچھا ہے
زیان جاودانی کے گلہ افروز داغوں کو
بجھا دینا ہی اچھا ہے
تمہارا فیصلہ جاناں! مجھے بے حد پسند آیا

ولایت خائباں

بریرا بن سلامہ اور جندب ابن یاسر ساکنان شہر صیدا
''خائباں'' کے سب سے عالی شان شہرستاں ''اسف آباد'' میں
وارد ہوئے تو وہ سرائے سین میں ٹھہرے
''سرائے سین'' اک خوش وخوش منظر سرائے ہے
وہ بعد چاشت روزانہ سرائے سے نکلتے اور اسف آباد کے
بازار و برزن میں' خیابانوں میں' کوچوں میں' خرابوں میں
وہاں کی وضع اور اس شہر کے باشندگاں کے حال احوال
اور کیفیات کی تحقیق کر کے اس کی روئیداد کو اپنی بیاضوں میں رقم کرتے

اسف آباد آ کر دونوں یک سر مات اور مبہوت تھے
وہ یوں کہ وہ باہر سے آئے تھے
انہوں نے رہ گزاروں' شاہراہوں پر ہزاروں لوگ دیکھے
تیز رفتار و شاباں' سست رفتار و خراماں
پر جو صورت سخت حیرت ناک تھی' یہ تھی کہ سب اہل اسف آباد
اک خواب عمیق و جاوداں میں غرق تھے
اور شہر میں اک شور' شور سامعہ آزاد برپا تھا
وہ شور سامعہ آزار اسف آباد کے خوابیدہ گردوں کے
پیاپے بے خلل بے وقفہ خراٹوں کا تھا

وہ ایک موسیقی تھی نادر تر
نہ جانے کتنی صدیوں کی ریاضت کا عطیہ
اور اسف آباد کے خوابیدہ گردوں کا تمامی روزگار
اور دفتر و دیوان کا نظم و نسق
ہر اک نفس کے واردے پر ایک الہامی طریق معجزہ آسا یہ چلتا تھا

یکم شعبان کو بعد غروب آفتاب ابن سلامہ اور جندب ابن یاسر
زندہ بیدار اور اس کے یار اور ہم کار یک دل
سردار کافی سے ''قہوہ خانہ سرخاب'' میں اک خاص طور رو بروئی سے ملے
پھر چند لمحوں ہی میں ان کے درمیاں
احساس اور اظہار کے بسیار گونہ سلسلے تھے جو چلے
''ابن سلامہ اور جندب ابن یاسر' غالباً تم دونوں پہلی بار
اس نادر ولایت خائباں میں آئے ہو
میں اور میرا یار جانی' جاودانی زندہ بیدار اپنے دل کے دل سے
جاں کی جاں سے
تم دونوں کو اپنے شہر میں خوش آمدید جاوداں کہتے ہیں
ہم بھی ایک دن اس شہر میں باہر سے آئے تھے رہا' حران' ترمد اور بخارا سے
عزیزو! خائباں میں شائد اب تک صرف دو سیاح دانش یار آئے ہیں
بریرا ابن سلامہ اور جندب ابن یاسر تم!
مجھے تم سے عجب حیران کن اک بات کہنا ہے' عجب حیران کن اک بات
لیکن تم یقیں کرنا کہ ہم روزانہ وقت فجر جاگ اٹھتے ہیں

اور خوابیدہ گردی کی کسی بھی کیفیت کے ابتلا سے
یک سرہ محفوظ اپنے وقت پر گھر سے نکلتے ہیں
بریرا بن سلامہ اور جندب ابن یاسر' تم یہ سوچو گے کہ ہم دونوں
بلائے روز شب خوابیدگی کے عارضے سے کس طرح محفوظ ہیں
اور وہ بھی عالی شان شہرستان اسف آباد میں
اور تم یہ پوچھو گے کہ اس کا کیا سبب ہے؟
بات کچھ یوں ہے کہ جب ہم سرزمین خائباں میں آئے ہیں تو
فخر جالینوس' بہمن یار قرمز نے
ہمیں اپنی قرابادین خاص الخاص کی اک معجزہ پرور دوا دی تھی
اور اس کا نام ہے اکسیر عقلانی
اسے ہم روز وقت فجر استعمال کرتے ہیں
اسی اکسیر کی تاثیر ہے جس کے سبب ہم اس عذابی عارضے' خوابیدروزی
اور اس خوابیدہ گردی کے مرض سے یک سرہ محفوظ ہیں
تم ہی بتاؤ! ہم نے اب تک کوئی خراٹا لیا' کوئی بھی خراٹا؟
یہاں ہر گفتگو' ہر بحث' ہر تقریر' خراٹوں میں ہوتی ہے
اسے تم سرزمین خائباں کا امتیاز خاص ہی کہہ لو
یہ باتیں بھی کہ جانم! تم میری پہلی محبت ہو' میں تم پر جان دیتا ہوں
''مجھے بھی' ہاں' مجھے بھی تم سے حد درجہ۔۔۔''
یہاں بے وقفہ خراٹوں میں ہوتی ہیں
اگر تم بھی یہاں دو اک مہینے تک رہو تو یہ مرض تم کو بھی ہو جائے

ہمیں بھی ابن جندب! تم سے ملنے اور تم سے حرف زن ہونے کی
بے حد آرزو تھی اور کئی دن سے
ہمیں مشہور قصہ گو سلامانی نے تم دونوں عزیزوں کی جو کیفیت بتائی ہے
وہ ظاہر ہے کہ یک سر قابل فہم اور بجا تر ہے
یہاں کا حال ہی افسون و افسانہ نما تر ہے

عزیزو! خائباں کے رہنے والوں میں سے
شاید کم سے کم اس کی جو خواہش ہے
وہ خواہش سراسر اور ہی کچھ ہے
وہی جو اپنی خواہش اور دنیا کے ہر اک شائستہ آدم زاد کی خواہش ہے
پر کیا ہو کہ اپنے خائباں کے مرد و زن معمول ہیں اک سحر کے معمول
ان میں سے کوئی خود میں نہیں ہے کوئی بھی
جو بھی ہے وہ نا خود میں زندہ ہے
رہے باقی' تو وہ سچ مچ پچھل پائے ہیں سچ مچ
اور انہی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے' سب کچھ
اور انہیں بے حد ہوس ہے اور وہ یہ ہے کہ اس بنیاد برباد
اور یک سر درہم افتادہ ولایت خائباں کے سارے باشندے
''درخشاں تر' فروزاں تر'' دل و دیں کے خجستہ خواب کی تعبیر
ماضی میں پلٹ جائیں
الٹ جائیں
سو تاریک اندیشہ یہاں کی سادہ دل نسلوں کو جو تعلیم
بے حد پاک دل کُن' پاک پندار آفریں
تعلیم دیتے آئے ہیں

وہ یہ ہے یعنی یہ کہ ساری آدمیت کی ہزاروں سال سے لے کر
ہماری نسل تک کی زندگی کا سب سے زریں دور اس ماضی میں گزار ہے
جو لافانی ہے' لافانی رہے گا اور ہم کو اب
اسی میں زندہ رہنا ہے اگر زندہ ہی رہنا ہے
بریرا ابن سلامہ اور جندب ابن یاسر! تم یقیں کرنا
یہاں اجناس کے سرمحکمے کے حکم کی رو سے' ہر اک ماکول ار و مشروب میں
خواب آور ادویہ کی آمیزش ضروری ہے' نہیں تو پھر سزا ہے
الغرض' مقصد جو ہے' یہ ہے کہ سارے لوگ اپنے ہوش سے عاری رہیں
اور صرف بے ہوشی میں سرگرم اور طرفہ کار' پر احوال' پر اطوار ہوں
اس ماجرا آئیں ولایت کڑی تمامی دانش و بینش' تمامی فرخی فرہنگ
ہر فر و فروزانی' فزایش کا جو سرچشمہ ہے' وہ خوابیدہ روزی اور بس خوابیدہ گردی ہے

فسوں افسانگی' خاموش آوازوں کا شور اور نیم روشن گرد و پیش
ابہام کی سمتیں' ہیولے' تیرہ اندیشی۔۔
کسے معلوم کیا ہے؟ شائد ایسا ہو کہ ساری بود اک خواب و فسون جادوانہ ہو
سبھی کچھ اک فریبائی۔۔ فریبائی۔۔۔۔ سب کچھ یعنی مطلب یہ کہ
مطلب یہ کہ سب افسانہ ہو۔۔۔۔ سب کچھ ایک افسانہ
گماں بادر گماں ہا۔۔۔ ایک نزدا نزد دور ا دور بے نام و نشاں ہا۔۔۔ ہا
بریرا ابن ••• بریرا ابن۔۔۔۔ تو اب ہم بھی
تو اب ہم بھی۔۔۔۔ تو جندب ابن یملیخا۔۔۔ خراخر ہا۔۔۔۔ خراخر ہا

◆◆◆

لباس

تجھ سے نہیں رہا ہے کوئی نامہ و پیام
عرصہ گزر گیا ہے کہ بے التماس ہوں

تجھ کو یقین آئے نہ آئے، یہ اور بات
میں تجھ سے دور رہ کے بھی تیرے ہی پاس ہوں

ممکن کہاں ہے تجھ سے جدائی متاعِ جاں
تو ہے مرا لباس، میں تیرا لباس ہوں

◆◆◆

قطعات

اب تو جس طور بھی گزر جائے
کوئی افرار زندگی سے نہیں
اس کے غم میں کیا سبھی کو معاف
کوئی شکوہ بھی اب کسی سے نہیں

ہے ضرورت بہت توجہ کی
یاد آؤ تو کم نہ یاد آؤ
چاہیے مجھ کو جان و دل کا سکوں
میرے حق میں عذاب بن جاؤ

مر چکا ہے دل مگر زندہ ہوں میں
زہر جیسی کچھ دوائیں چاہئیں
پوچھتی ہیں آپ، آپ اچھے تو ہیں
جی میں اچھا ہوں، دعائیں چاہئیں

چارہ سازوں کی چارہ سازی سے
درد بدنام تو نہیں ہو گا
ہاں دوا دو مگر یہ بتلا دو
مجھے آرام تو نہیں ہو گا

وقت کے راستے سے ہم تم کو
ایک ہی ساتھ تو گزرنا تھا
ہم تو جی بھی نہیں سکے اک ساتھ
ہم کو تو ایک ساتھ مرنا تھا

دل میں جن کا نشان بھی نہ رہا
کیوں نہ چہروں پہ اب وہ رنگ کھلیں
اب تو خالی ہے روح جذبوں سے
اب بھی کیا ہم تپاک سے نہ ملیں

کوئی تعلق ہی نہ رہے
جب کہ سبب بھی باقی ہو
کیا میں اب بھی باقی ہوں؟
کیا میں اب بھی زندہ ہوں
کیا تم اب بھی باقی ہو؟

حالت یہ ہے کہ گردش حالات کے سبب
دل بھی مرا تباہ ہے، ہمت بھی پست ہے
تم سوچتی بہت ہو تو پھر یہ بھی سوچنا
میری شکست اصل میں کس کی شکست ہے

◆◆◆

فریب آرزو

صندلیں پیکر! تمہارے بازوؤں کے درمیاں
فارہہ کا غم بھلانے کے لئے آیا ہوں میں
زندگی کی اک حقیقت کو تمہارے روبرو
ایک افسانہ بنانے کے لئے آیا ہوں میں
فارہہ کی یاد میرے حافظے سے چھین لو
اپنا سرمایہ لٹانے کے لئے ہوں میں
انتقاماً چاہیے اب مجھ کو اک حال طرب
آج طنزاً مسکرانے کے لیے آیا ہوں میں
اب تو ہر نقش خیالی کو مٹانا ہے مجھے
اب تو سب کچھ بھول جانے کے لیے آیا ہوں میں
کر کے تعمیر ایک بت خانہ برائے بندگی
کعبہ نخوت کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں میں
اب تو بس تم ہو فقط تم! فارہہ کچھ بھی نہیں
تم کو سینے سے لگانے کے لئے آیا ہوں میں
میری خوش منظر جوانی بھی تو کوئی چیز ہے
تم سے اس کی داد پانے کے لئے آیا ہوں میں
رایگاں اب تک گئے میرے سخن کے معجزے
تازہ اعجازی دکھانے کے لئے ہوں میں

کاش! تم میری جبیں کو چوم لو ہاں چوم لو
مطع فن جگمگانے کے لئے آیا ہوں میں
تم سے بھی شاید مجھے غم کا عطیہ ہی ملے
پھر بھی تازہ زخم کھانے کے لئے آیا ہوں میں
شاخ دل کو لمحہ لمحہ اک نمو تو چاہیے
زندگی کو اک فریب آرزو تو چاہیے

◆◆◆

میرے غصے کے بعد بھی

فارہہ! کیا بہت ضروری ہے
ہر کسی شعر ساز کو پڑھنا
کیا مری شاعری میں کم ہے گداز
کیا کسی دل گداز کو پڑھنا
یعنی میرے سوا بھی اور کسی
شاعرِ دل نواز کو پڑھنا
کیا کسی اور کی ہو تم محبوب
کیوں کسی فن طراز کو پڑھنا
حد ہے، خود تم کو بھی نہیں آیا
اپنے قرآن ناز کو پڑھنا
یعنی خود اپنے ہی کرشموں کی
داستان دراز کو پڑھنا
ٹھیک ہے، گر تمہیں پسند نہیں
اپنی روداد راز کو پڑھنا
واقعی، تم کو چاہیے بھی نہیں
مجھ سے بے امتیاز کو پڑھنا
کیوں تمہاری انا قبول کرے
مجھ سے اک بے نیاز کو پڑھنا

میرے غصے کے بعد بھی تم نے
نہیں چھوڑا مجاز کو پڑنا

◆◆◆

عبث

دل کے داغوں کا چراغاں کیا کہوں
رونق شب ہائے ہجراں کیا کہوں
ہو گئے تاریک میرے سارے خواب
ان کی تعبیر درخشاں کیا کہوں
بس عجب کچھ ہو گیا ہے میرے ساتھ
میں جو ہوں' میں کیا کہوں' ہاں' کیا کہوں
داستان شرم کی سرخی ہو تم
جان جاناں' جان جاناں' کیا کہوں
خوش بیانوں میں تمہارا ذکر ہے

روح کے رازوں کی رسوائی ہوئی
دل کے اندازوں کی رسوائی ہوئی
جو تھے سرمایہ ہماری ذات کا
اپنے ان نازوں کی رسوائی ہوئی
نوجوانوں میں تمہارا ذکر ہے
لوگ ہیں سرکار! ہم پرخندہ زن
عہد ہائے دم بہ دم پر خندہ زن
طعنہ زن ہیں انبساط وصل پر

ہجر کی چشمان نم پر خندہ زن

دل ہے جن زلفوں کا اس دم تک اسیر
اب ہیں محرم ان کے خم پر خندہ زن
اک ندامت بن گئے ہیں جان و دل
ہیں سبھی ان کے بھرم پر خندہ زن
خاندانوں میں تمہارا ذکر ہے

تم تو وہ تھیں، جس سے تھی آن وفا
تم تو تھیں جانانۂ جاناں وفا
کس طرح بچھڑیں تم اپنے آپ سے
لٹ گیا سب سازو سامان وفا

تم! وفا کو قتل کر سکتی ہو تم!
تم کہ تھیں امیدو ارکان وفا
تھے بھلا کھینچے ہی جانے کے لئے
جان! دامان و گریبان وفا
یعنی آنسو، ہچکیاں، سب کچھ تھا جھوٹ
تھا عبث ہر عہد و پیمان وفا
قہوہ خانوں میں تمہارا ذکر ہے

◆◆◆

کاش، اے کاش

کاش، اے کاش، ہم ٹھہر سکتے
یہ ستارے، یہ شبنمی آنسو
نہ لٹاؤ یہ قیمتی آنسو
کل بھی آنسو تھے، آج بھی آنسو
ہو گئی اپنی زندگی آنسو

تھی یہ حسرت کہ زخم بھر سکتے
کاش اے کاش، ہم ٹھہر سکتے

جان جاناں، یہ نازنیں گیسو
نکہت افشاں و سنبلیں گیسو
ہائے آشوب آفریں گیسو
یہ پریشان، عنبریں گیسو
وائے حسرت کہ یہ سنور سکتے
کاش، اے کاش، ہم ٹھہر سکتے
ہم کو خود سے گزر ہی جانا تھا
یوں ہر اک زخم بھر ہی جانا تھا
جو تھا کرنا وہ کر ہی جانا تھا

ایسے عالم میں مر ہی جانا تھا

شرم آتی ہے کاش مر سکتے
کاش اے کاش ہم ٹھہر سکتے

کیا کریں کوئی اختیار نہیں
اپنا گھر ہم کو سازگار نہیں
اب کسی شے کا انتظار نہیں
وقت کا کوئی اعتبار نہیں

وقت کا اعتبار کر سکتے
کاش اے کاش ہم ٹھہر سکتے

دل کے حق میں ذرا نہیں ہے وقت
بے گماں متقل یقین ہے وقت
ہر نفس قہر آفریں ہے وقت
ایک دریائے آتشیں ہے وقت
کاش ہم اس کے پار اتر سکتے
کاش اے کاش ہم ٹھہر سکتے

◆◆◆

سفر کے وقت

تمہاری یاد مرے دل کا داغ ہے لیکن
سفر کے وقت تو بے طرح یاد آتی ہو
برس برس کی ہو عادت کا جب حساب تو پھر

بہت ستاتی ہو جانمؑ بہت ستاتی ہو
میں بھول جاؤں! مگر کیسے بھول جاؤں بھلا
عذاب جاں کی حقیقت کا اپنی افسانہ
مرے سفر کے وہ لمحۓ تمہاری پر حالی
وہ بات باتؑ مجھے بار بار سمجھانا

یہ پانچ کرتے ہیں دیکھوؑ یہ پانچ پاجامے
ڈلے ہوئے ہیں کمر بند ان میں اور دیکھو
یہ شیو بکس ہےؑ اور یہ ہے اولڈ اسپائس
نہیں حضور کی جھونجل کا اب کوئی باعث

یہ ڈائری ہےؑ اور اس میں پتے ہیں اور نمبر
اسے خیال سے بکسے کی جیب میں رکھنا
ہے عرض ''حضرت غائب دماغ'' بندی کی

کہ اپنے عیب کی حالت کو غیب میں رکھنا

یہ تین کوٹ ہیں، پتلوں ہیں، یہ ٹائیاں ہیں
بندھی ہوئی ہیں یہ سب، تم کو کچھ نہیں کرنا
یہ ''ویلیم'' ہے، ''اونٹل'' ہے اور ''ٹرپٹی نال''
تم ان کیساتھ مری جاں ڈرنک سے ڈرنا

بہت زیادہ نہ پینا کہ کچھ نہ یاد آئے
جو لکھنو میں ہوا تھا، وہ اب دوبارہ نہ ہو
ہو تم سخن کی انا، اور تمکنت جانم
مذاق کا کسی انشا کو تم سے یارا نہ ہو

وہ جون جو نظر آتا ہے، اس کا ذکر نہیں
تم اپنے جون کا جو تم میں ہے، بھرم رکھنا
عجیب بات ہے جو تم سے کہہ رہی ہوں میں

خیال میرا زیادہ اور اپنا کم رکھنا
ہو تم بلا کے بغاوت پسند، تلخ کلام
خود اپنے حق میں اک آزار ہو گئے ہو تم
تمہارے سارے صحابہ نے تم کو چھوڑ دیا
مجھے قلق ہے کہ بے یار ہو گئے ہو تم

یہ بینکار، منیجر، یہ اپنے ٹیکنو کریٹ
کوئی بھی شبہ نہیں، ہیں یہ ایک عبث کا ٹھٹھول
میں خود بھی ان کو کرو میگنن سمجھتی ہوں
یہ "شان دار جناور" ہیں دفتروں کا مخول

میں جانتی ہوں کہ تم سن نہیں رہے مری بات
سماج جھوٹ سہی، پھر بھی اس کا پاس کرو
ہے تم کو طیش، ہے بالشتیوں کی یہ دنیا
تو پھر قرینے سے تم ان کو بے لباس کرو

تم ایک سادہ و برجستہ آدمی ٹھہرے
مزاج وقت کو تم آج تک نہیں سمجھے
جو چیز سب سے ضروری ہے، وہ میں بھول گئی
یہ پاسپورٹ ہے، اس کو سنبھال کے رکھنا
جو یہ نہ ہو تو خدا بھی بشر تک آ نہ سکے
سو، تم شعور کا اپنے کمال کر رکھنا

مری شکست کے زخموں کی سوزش جاوید
نہیں رہا مرے زخموں کا اب حساب کوئی
ہے اب جو حال مرا، وہ عجب تماشا ہے

مرا عذاب نہیں اب مرا عذاب کوئی

نہیں کوئی مری منزل، پہ ہے سفر درپیش
ہے گرد گرد عبث مجھ کو در بہ در درپیش

◆◆◆

جون تمہیں یہ دور مبارک

جون! تمہیں یہ دور مبارک، دور غم ایام سے ہو
ایک پاگل لڑکی کو بھلا کر اب تو بڑے آرام سے ہو
ایک ادھوری انگڑائی کے مستقبل کا خون کیا
تم نے اس کا دل رکھا یا اس کے دل کا خون کیا
یہ جو تمہارا سحر تکلم حسن کو کرتا ہے مسحور
بانوؔ جمال آرا اور فضہ کے حق میں ہے اک ناسور

خون جگر کا جو بھی فن ہے، سچ جانو، وہ جھوٹا ہے
وہ جو بہت سچ بول رہا ہو، سچ جانو، وہ جھوٹا ہے
قتل سیزر پر انطونی جو کچھ بولا، جھوٹ تھا وہ
یعنی لبوں نے جتنا کچھ زخموں کو تولا، جھوٹ تھا وہ
میت پر سہراب کی فردوسی نے ناٹک کھیلا تھا
اس کے ہونٹوں پر تھے، نالے دل میں فن کا میلا تھا

حسن بلا کا قاتل ہو پر آخر کو بے چارہ ہے
عشق تو وہ قتال ہے جس نے اپنے کو بھی مارا ہے
یہ دھوکے دیتا آیا ہے دل کو بھی دنیا کو بھی
دل دکھتا ہے کیسے کہوں میں، چل سے بے چل ہوتے ہیں

جذبے میں جو بھی مرتے ہیں، وہ سب پاگل ہوتے ہیں

تھی جو اک صیاد تمہاری، ٹھہری ہے اک صید زبوں
یعنی اب ہونٹوں سے مسیحا کے رستا ہے اکثر خوں
خون کی تھوکن ہے جو تمہاری، کیا ہے وہ اک پیشہ کہ نہیں
تم ہو مسیحاؤں کے حق میں قاتل اندیشہ کہ نہیں
فن جو جز فن کچھ بھی نہ ہو، وہ اک مہلک خوش باشی ہے
کار سخن پیشہ ہے تمہارا جو خونی عیاشی ہے

جون، ہو تم چو بند بلا کے ''عشاقی'' میں چاق بھی ہو
تم جذبوں کے سوداگر ہو اور ان کے قزاق بھی ہو
عشق کی یادہ سرائی آخر رد بھی ہونا چاہیے نا
آخرکو بکواس کی کوئی حد بھی ہونا چاہیے نا
میں جو ہوں باتوں کا ہوں میں، ایک خداوند، ایک خدا

لڑکی کو پرچانے کا فن کس نے جانا میرے سوا
جان، تمہی میرا سب کچھ ہو، جی نہیں سکتا میں تم بن
لمحوں کی پیکار ہے جن میں، بس ہوں سسکتا میں تم بن
سنتے ہو وہ جان تمہاری، بس اب گھر تک زندہ ہے
گھر کیا، وہ اٹھ بھی نہیں سکتی، بس بستر تک زندہ ہے

درخت زرد

نہیں معلوم زریون اب تمہاری عمر کیا ہو گی
وہ کن خوابوں سے جانے آشنا' نا آشنا ہو گی
تمہارے دل کے اس دنیا سے کیسے سلسلے ہوں گے
تمہیں کیسے گماں ہوں گے' تمہیں کیسے گلے ہوں گے
تمہاری صبح جانے کن خیالوں سے نہاتی ہو
تمہاری شام جانے کن ملالوں سے نبھاتی ہو
نہ جانے کون دوشیزہ تمہاری زندگی ہو گی
نہ جانے اس کی کیا بایستگی شایستگی ہو گی
اسے تم فون کرتے اور خط لکھتے رہے ہو گے
نہ جانے تم نے کتنی کم غلط اردو لکھی ہو گی
یہ خط لکھنا تو دقیانوس کی پیڑھی کا قصہ ہے
یہ صنف نثر ہم نابالغوں کے فن کا حصہ ہے
وہ ہنستی ہو تو شاید تم نہ رہ پاتے ہو حالوں میں
گڑھا ننھا سا پڑ جاتا ہو شاید اس کے گالوں میں
گماں یہ ہے' تمہاری بھی رسائی نا رسائی ہو
وہ آئی ہو تمہارے پاس لیکن آ نہ پائی ہو
وہ شاید مائدے کی گند بریانی نہ کھائی ہو
وہ نان بے خمیر میدہ کم تر ہی چباتی ہو

وہ دوشیزہ بھی شاید داستانوں کی ہو دل دادہ
اسے معلوم ہو گا زال تھا سہراب کا دادا
تہمتن یعنی رستم تھا گرامی سام کا وارث
گرامی سام تھا صلب نریمانی کا خوش زادہ
(یہ میری ایک خواہش ہے جو مشکل ہے)
وہ نجم آفندی مرحوم کو تو جانتی ہو گی
وہ نوحوں کے ادب کا طرز تو پہچانتی ہو گی
اسے کد ہو گی شاید ان سبھی سے جو لپاڑی ہوں
نہ ہوں گے خواب اس کا جو گویے اور کھلاڑی ہوں

ہدف ہوں گے تمہارا کون، تم کس کے ہدف ہو گے
نہ جانے وقت کی پیکار میں تم کس طرح ہو گے
ہے رن یہ زندگی، اک رن جو برپا لحظہ لحظہ ہے
ہمیں اس رن میں، کچھ بھی ہو، کسی جانب تو ہونا ہے
سو، ہم بھی اس نفس تک ہیں سپاہی ایک لشکر کے
ہزاروں سال سے جیتے چلے آئے ہیں مر مر کے
شہود اک فن ہے اور میری عداوت بے فنوں سے ہے
مری پیکار ازل سے ہے
یہ خسرو، میر، غالب کا خرابہ بیچتا کیا ہے
ہمارا غالب اعظم تھا چور آقائے بیدل کا
سو رزق فخر اب ہم کھا رہے ہیں میر بسمل کا

سدھارت بھی تھا شرمندہ کہ دو آبے کا باسی تھا
تمہیں معلوم ہے، اردو جو ہے پالی سے نکلی ہے
وہ گویا اس کی ہی اک پر نمو ڈالی سے نکلی ہے

یہ کڑواہٹ کی باتیں ہیں، مٹھاس ان کی نہ پوچھو تم
نم لب کو ترستی ہیں، سو، پیاس ان کی نہ پوچھو تم
یہ اک دو جرعوں کی اک چہل ہے اور چہل میں کیا ہے
عوام الناس سے پوچھو، بھلا الکحل میں کیا ہے
یہ طعن و طنز کی ہرزہ سرائی ہو نہیں سکتی
کہ میری جان میرے دل سے رشتہ کھو نہیں سکتی

نشہ چڑھنے لگا ہے اور چڑھنا چاہیے بھی تھا
عبث کا نرخ تو اس وقت بڑھنا چاہیے بھی تھا
عجب بے ماجرا، بے طور، بیزارانہ حالت ہے
وجود اک وہم ہے اور وہم ہی شاید حقیقت ہے
غرض جو حال تھا وہ نفس کے بازار ہی کا تھا
ہے "ز" بازار میں تو درمیاں، زریون میں اول
تو یہ عبرا فنیقی کھیلتے حرفوں سے تھے ہر پل
تو یہ زریون جو ہے، کیا یہ افلاطون ہے کوئی؟
اماں زریون ہے زریون، وہ معجون کیوں ہوتا
ہیں معجونیں مفید "ارواح" کو، معجون یوں ہوتا

سنو! تفریق کیسے ہو بھلا اشخاص و اشیا میں
بہت جنجال ہیں پر ہو یہاں تو "یا" میں اور "یا" میں

تمہاری جو حماسہ ہے' بھلا اس کا تو کیا کہنا
ہے شاید مجھ کو ساری عمر اس کے سحر میں رہنا
مگر میرے غریب اجداد نے بھی کچھ کیا ہو گا
بہت ٹچا سہی' ان کا بھی کوئی ماجرا ہو گا
یہ ہم جو ہیں' ہماری بھی تو ہو گی کوئی نوٹنکی
ہمارا خون بھی سچ مچ کا صفحے پر بہا ہو گا
ہے آخر زندگی خون از بن ناخن برآور تر
قیامت سانحہ مطلب فاجعہ پرور

نہیں ہو تم مرے مرا فردا نہیں میرا
سو' میں نے ساحت دیروز میں ڈالا ہے اب ڈیرا
مرے دیروز میں زہر ہلاہل تیغ قاتل ہے
مرے گھر کا وہی سرنام تر ہے جو بھی بسمل ہے
گذشت وقت سے پیمان ہے اپنا عجب سا کچھ
سو' اک معمول ہے عمران کے گھر کا عجب سا کچھ

حسن نامی ہمارے گھر میں اک سقراط گزرا ہے
وہ اپنی نفی سے اثبات تک محشر کے پہنچا ہے

کہ خون رائیگاں کے امر میں پڑنا نہیں ہم کو

وہ سود حال سے یک سرزیاں کارانہ گزارا ہے
طلب تھی خون کی قے کی اسے اور بے نہایت تھی
سؤ فوراً بنت اشعت کا پلایا پی گیا ہو گا
وہ اک لمحے کے اندر سرمدیت جی گیا ہو گا

تمہاری ارجمند امی کو میں بھولا بہت دن میں
میں ان کی رنگ کی تسکین سے نمٹا بہت دن میں
وہی تو ہیں' جنہوں نے مجھ کو پیہم رنگ تھکوایا
وہ کس رگ کا لہو ہے جو میاں میں نے نہیں تھوکا
لہو اور تھوکنا اس 'کا' ہے کاروبار بھی میرا
یہی ہے ساکھ بھی میری' یہی معیار بھی میرا
میں وہ ہوں جس نے اپنے خون سے موسم کھلائے ہیں
نجانے وقت کے کتنے ہی عالم آزمائے ہیں
میں اک تاریخ ہوں اور میری جانے کتنی فصلیں ہیں
مری کتنی ہی فرعیں ہیں' مری کتنی ہی اصلیں ہیں
حوادث ماجرا ہی ہم رہے ہیں اک زمانے سے
شدائد سانحہ ہی ہم رہے ہیں اک زمانے سے
ہمیشہ سے بپا اک جنگ ہے' ہم اس میں قائم ہیں
ہماری جنگ خیر و شر کے بستر کی ہے زائیدہ

یہ چرخ جبر کے دوار ممکن کی ہے گردیدہ
لڑائی کے لئے میدان اور لشکر نہیں لازم
سنان و گرز و شمشیر و تبر، خنجر نہیں لازم
بس اک احساس لازم ہے کہ ہم بعدین ہیں دونوں
کہ نفی عین عین و سر بہ سر ضدین ہیں دونوں
Luis Urbhna نے میری عجب کچھ غم گساری کی
بصد دل دانشی گزاران اپنی مجھ پہ طاری کی
بہت اس نے پلائی اور پینے ہی نہ دی مجھ کو
پلک تک اس نے مرنے کے لئے جینے نہ دی مجھ کو
''میں تیرے عشق میں رنجیدہ ہوں، ہاں اب بھی کچھ کچھ ہوں
مجھے تیری خیانت نے غضب مجروح کر ڈالا
مگر طیش شدیدانہ کے بعد آخر زمانے میں
رضا کی جاودانہ جبر کی نوبت بھی آ پہنچی
محبت ایک پسپائی ہے پر احوال حالت کی
محبت اپنی یک طوری میں دشمن ہے محبت کی
سخن مال محبت کی دکان آرائی کرتا ہے
سخن سو طرح سے اک رمز کی رسوائی کرتا ہے
سخن بکواس ہے بکواس جو ٹھیرا ہے فن میرا
وہ ہے تعبیر کا افلاس جو ٹھیرا ہے فن میرا
سخن یعنی لبوں کا فن، سخن ور یعنی اک پر فن
سخن ور ایزد اچھا تھا کہ آدم یا پھر اہریمن

سخن یعنی لبوں کا فن مگر ایزد کے لب یعنی!
مزید آں کہ سخن میں وقت ہے، وقت اب سے اب، یعنی

کچھ ایسا ہے، یہ میں جو ہوں، یہ میں اپنے سوا ہوں ''میں''
جو ہونے میں ہو، وہ ہر لمحہ اپنا غیر ہوتا ہے
کہ ہونے کو تو ہونے سے عجب کچھ بیر ہوتا ہے
یوں ہی، بس یوں ہی زینو نے یکا یک خودکشی کر لی
عجب حس ظرافت کے تھے مالک یہ رواقی بھی

بدہ یارا ازاں بادہ کہ ''دہقان پرورد'' آں را
بہ سوزد ہر متاع انتمائے دود ماناں را
بہ سوزد ایں زمین اعتبار و آسماناں را
بہ سوزد جان و دل راہم بیا ساید دل و جاں را

دل و جان اور آسایش یہ اک کونی تمسخر ہے
حمق کی عبقریت ہے، سفاہت کا تفکر ہے
حمق کی عبقریت اور سفاہت کے تفکر نے
ہمیں تضیع مہلت کے لئے اکوان بخشے ہیں
اور افلاطون اقدس نے ہمیں اعیان بخشے ہیں

سنو زریون، تم تو عین اعیان حقیقت ہو

نظر سے دور منظر کا سروسامان ثروت ہو
ہماری عمر کا قصہ حساب اندوز آنی ہے
زمانی زو میں ظن کی اک گمان لازمانی ہے
گمان یہ ہے کہ باقی ہے' بظاہر آن فانی ہے
کہانی سننے والے جو بھی ہیں وہ خود کہانی ہیں
کہانی کہنے والا اک کہانی کی کہانی ہے
پیا پے یہ گزارش ' یہ گماں اور یہ گلے کیسے
صلہ سوزی تو میرا فن ہے' پھر اس کے صلے کیسے

تو میں کیا کہہ رہا تھا' یعنی کیا کچھ سہہ رہا تھا میں
اماں' ہاں' میز پر یا میز پر سے بہہ رہا تھا میں
رکو' میں بے سروپا اپنے سر سے بھاگ نکلا ہوں
مرا ''میں'' لاگ میں تھا' اس سے میں بے لاگ نکلا ہوں
الا یا ایھا الا بجد! ذرا یعنی' ذرا ٹھیرو
There is an absurd I in absurdity Shaayad
کہیں اپنے سوا' یعنی کہیں اپنے سوا ٹھیرو
تم اس Absurdity میں اک ردیف ' اک قافیہ ٹھیرو

ردیف و قافیہ کیا ہیں' شکست ناروا کیا ہے
''شکست ناروا'' نے مجھ کو پارہ پارہ کر ڈالا
انا کو میری بے اندازہ تر بے چارہ کر ڈالا

میں اپنے آپ میں ہارا ہوں اور خوارانہ ہارا ہوں
جگر چاکانہ ہارا ہوں دل افگارانہ ہارا ہوں

جسے فن کہتے آئے ہیں وہ ہے خون جگر اپنا
مگر خون جگر کیا ہے' وہ ہے قتال تر اپنا
کوئی خون جگر کا فن ذرا تعبیر میں لائے
مگر میں تو کہوں' وہ پہلے میرے سامنے آئے
وجود و شعر یہ دونوں define ہو نہیں سکتے
کبھی مفہوم میں ہر گز یہ کائن ہو نہیں سکتے
حساب حرف میں آتا رہا ہے بس حسب ان کا
نہیں معلوم ایزد ایزداں کو بھی نسب ان کا
ہے ایزد ایزداں اک رمز جو بے رمز نسبت ہے
میاں اک حال ہے' اک حال جو بے حال حالت ہے
نہ جانے جبر ہے حالت کہ حالت جبر ہے' یعنی
کسی بھی بات کے معنی جو ہیں ان کے ہیں کیا معنی
وجود اک جبر ہے میرا' عدم اوقات ہے میری
جو میری ذات ہر گز بھی نہیں' وہ ذات ہے میری
میں روز و شب نگارش کوش خود اپنے عدم کا ہوں
میں اپنا آدمی ہر گز نہیں' لوح و قلم کا ہوں

ہیں کڑواہٹ میں یہ بھیگے ہوئے لمحے عجب سے کچھ

سراسر بے حسابانہ، سراسر بے سبب سے کچھ
سرابوں نے سرابوں پر بہت بادل ہیں برسائے
شرابوں نے معابد کے تموز و بعل نہلائے
نہ جانے عاربہ کیوں آئے، کیوں مستعربہ آئے
مضر کے لوگ تو چھانے ہی والے تھے، سو وہ چھائے
مرے جد ہاشم اعلیٰ گئے غزہ میں دفنائے
میں ناقے کو پلاؤں گا، مجھے وہاں تک وہ لے جائے
"لدو اللموت و ابنوا للخراب" سن خراباتی
وہ مرد عوص کہتا ہے، حقیقت ہے خرافاتی
یہ ظالم تیسرا پیگ اک اقانیمی ہدایت ہے
الوہی ہرزہ فرمائی کا سر طور لکنت ہے
بھلا حورب کی جھاڑی کا وہ رمز آتشیں کیا تھا
مگر حورب کی جھاڑی کیا، یہ کس سے کس کی نسبت ہے
یہ نسبت کے بہت سے قافیے ہیں، ہے گلہ اس کا
مگر تجھ کو تو یارا! قافیوں کی بے طرح لت ہے
گماں یہ ہے کہ شاید بحر سے خارج نہیں ہوں میں
ذرا بھی حال کے آہنگ میں حارج نہیں ہوں میں
تنا تن تن، تنا تن تن، تنا تن تن، تنا تن تن
تنا تن تن، نہیں محنت کشوں کا تن، نہ پیراہن
نہ پیراہن، نہ پوری آدھی روٹی اب رہا سالن
یہ سالے کچھ بھی کھانے کو نہ پائیں، گالیاں کھائیں

ہے ان کی بے حسی میں تو مقدس تر حرامی پن

مگر آہنگ میرا کھو گیا شاید' کہاں جانے
کوئی موج' کوئی موج شمال جاوداں جانے
شمال جاوداں کے اپنے ہی قصے تھے جو گزرے
وہ ہو گزرے تو پھر خود میں نے بھی جانا' وہ ہو گزرے
شمال جاوداں اپنا' شمال جاوداں جاں
ہے اب بھی اپنی پونجی اک ملال جاوداں جاں
نہیں معلوم زریون' اب تمہاری عمر کیا ہو گی
یہی ہے دل کا مضمون' اب تمہاری عمر کیا ہو گی
ہمارے درمیاں اب ایک بے جا تر زمانہ
لب تشنہ پہ اک زہر حقیقت کا فسانہ ہے
عجب فرصت میسر آئی ہے "دل و جان رشتے" کو
نہ دل کو آزمانا ہے' نہ جاں کو آزمانا ہے
کلید کشت زار خواب بھی گم ہو گئی آخر
کہاں اب جادہ خرم میں سر سبزانہ جانا ہے
کہوں تو کیا کہوں' میرا یہ زخم جاودانہ ہے
وہی دل کی حقیقت جو کبھی جاں تھی' وہ اب آخر
فسانہ در فسانہ در فسانہ در فسانہ ہے
ہمارا باہمی رشتہ جو حاصل تر تھا رشتوں کا
ہمارا طور بے زاری بھی کتنا والہانہ ہے

کسی کا نام لکھا ہے مری ساری بیاضوں پر
میں ہمت کر رہا ہوں، یعنی اب اس کو مٹاتا ہے

یہ اک شام عذاب بے سروکارانہ حالت ہے
ہوئے جانے کی حالت میں ہوں، بس فرصت ہی فرصت ہے
نہیں معلوم تم اس وقت کس معلوم میں ہو گے
نہ جانے کون سے معنی میں، کس مفہوم میں ہو گے
میں تھا مفہوم، نا مفہوم میں گم ہو چکا ہوں میں
میں تھا معلوم، نامعلوم میں گم ہو چکا ہوں میں

نہیں معلوم زریوں اب تمہاری عمر کیا ہو گی
مرے خود سے گزرنے کے زمانے سے سوا ہو گی
مرے قامت سے اب قامت تمہارا کچھ فزوں ہو گا
مرا ''فردا'' مرے دیروز سے بھی خوش نموں ہو گا
حساب ماہ و سال اب تک کبھی رکھا نہیں میں نے
کسی بھی فصل کا اب تک مزہ چکھا نہیں میں نے
میں اپنے آپ میں کب رہ سکا، کب رہ سکا آخر
کبھی اک پل کو بھی اپنے لئے سوچا نہیں میں نے
حساب ماہ وسال و روز و شب ' وہ سوختہ بودش
مسلسل جاں کنی کے حال میں رکھتا بھی تو کیسے
جسے یہ بھی نہ ہو معلوم وہ ہے بھی تو کیوں کر ہے

کوئی حالت دل پامال میں رکھتا بھی تو کیسے
کوئی نسبت بھی اب تو ذات سے باہر نہیں میری
کوئی بستر نہیں مرا، کوئی چادر نہیں میری

بہ حال ناشتا صد زخم ہا و خون ہا خوردم
بہ ہر دم شوکراں آمیختہ معجون ہا خوردم
تمہیں اس بات سے مطلب ہی کیا اور آخرش کیوں ہو
کسی سے بھی نہیں مجھ کو گلہ اور آخرش کیوں ہو
جو ہے اک ننگ ہستی اس کو تم کیا جان بھی لو گے
اگر تم دیکھ لو مجھ کو تو کیا پہچان بھی لو گے
تمہیں مجھ سے جو نفرت ہے، وہی تو میری راحت ہے
مری جو بھی اذیت ہے، وہی تو میری لذت ہے
کہ آخر اس جہاں کا اک نظام کار ہے آخر
جزا کا اور سزا کا کوئی تو ہنجار ہے آخر
میں خود میں جھینکتا ہوں اور سینے میں بھڑکتا ہوں
مرے اندر جو ہے اک شخص، میں اس میں پھڑکتا ہوں
ہے میری زندگی اب روز و شب یک مجلس غم ہا
عزاہا، مرثیہ ہا، گریہ ہا، آشوب ماتم ہا

تمہاری تربیت میں میرا حصہ کم رہا، کم تر
زباں میری تمہارے واسطے شاید کہ مشکل ہو

زباں میری زباں میں تم کو آخر کب سکھا پایا
عذاب صد شماتت آخرش مجھ پر ہی نازل ہو
زباں کا کام یوں بھی بات سمجھانا نہیں ہوتا
سمجھ میں کوئی بھی مطلب کبھی آنا نہیں ہوتا
کبھی خود تک بھی مطلب کوئی پہنچانا نہیں ہوتا
گمانوں کے گماں کی دم بہ دم آشوب کاری ہے
بھلا کیا اعتباری اور کیا نا اعتباری ہے

گماں یہ ہے، بھلا جزگماں کیا تھا گمانوں میں
سخن ہی کیا فسانوں کا، دھرا کیا ہے فسانوں میں
مرا کیا تذکرہ اور واقعی کیا تذکرہ میرا
میں اک افسوس تھا، افسوس ہوں گزرے زمانوں میں

ہے شاید دل مرا بے زخم اور لب پر نہیں چھالے
مرے سینے میں کب سو زندہ تر داغوں کے ہیں تھالے
مگر دوزخ پگھل جائے جو میرے سانس اپنا لے
تم اپنی ماں کے بے حد مرادی منتوں والے
مرے کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں، کچھ بھی نہیں، بالے
مگر پہلے کبھی تم سے مرا کچھ سلسلہ تو تھا
گماں میں میرے شاید اک کوئی غنچہ کھلا تو تھا
وہ میری جاودانہ بے دوئی کا ایک صلہ تو تھا

سوُ اس کو ایک ''ابوٗ'' نام کا گھوڑا ملا تو تھا

''سایہ دامان رحمت چاہیے تھوڑا مجھے
میں نہ چھوڑوں یا نبیؐ تم نے اگر چھوڑا مجھے
عید کے دن مصطفیٰ سے یوں لگے کہنے حسین
سبز جوڑا دو حسنؑ کوُ سرخ دو جوڑا مجھے''

''ادب ادب کتے' ترے کان کاٹوں
زربون کے بیاہ کے نان باٹوں''
تاروں بھرے جگر جگر خوان باٹوں
''آ جاری نندیا تو آ کیوں نہ جا
زریوں کو آ کے سلا کیوں نہ جا''

◆◆◆